www.urducouncil.nic.in
جنوری 2016، قیمت: -/10 روپے

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہنامہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے: اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبہ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066 فون: 26109746 فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

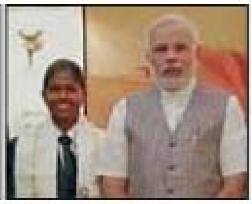

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	----------	05
قومی بالیکا دیوس	پلیز مجھے پڑھنے دو	م۔ ناگ	07
	شبنم کے سوالات	متین اچل پوری	09
	ایورسٹ چوٹی پر پورنا کی فتح	محمد طاہر صدیقی	17
نظمیں	چھبیس جنوری	مہتاب بانو	20
	بچوں کی غزل	احترام اسلام	21
	بچوں کے لیے قطعات	سید بشیر احمد بشیر	22
یوم جمہوریہ	ہم جب ایک ہو جائیں	سلیم خان	23
کہانی	لال مرغی کالی مرغی	محمد نسیم قمر ندوی	28
کھیل کھلاڑی	ٹوئنٹی ٹوئنٹی کرکٹ میں سب سے تیز ایک ہزار رن	سید پرویز قیصر	31
سائنس کی الف لیلہ	پارہ، سوڈا واٹر اور چوہے	سکلف اور سکلف	35
قسط وار ناول	آکاش درخت	کرشن چندر	41
نظم	طوطا بن گیا مرغا	اسماعیل پرواز	49
کہکشاں	چمن چمن کے پھول	----------	50
	دریائی گھوڑا	ط۔ نسیم	51
	آسکر ایوارڈ	افضال احمد انصاری	52
	ہندوستان کی اہم تعمیرات	سلطان احمد ساحل	53
	جگنو میں روشنی کہاں سے آتی ہے	نجمہ پروین	54
	طالب علموں کی کامیابی...	ضیا عالم حیدرآباد	55
	ہنسی کے غبارے	----------	56
ننھے فنکار	شرارت کا انجام	سید حزل حسین	58
	بچوں کی پینٹنگ	----------	60
	اردو فیس بک	----------	62

بچوں کی دنیا

جلد: 4 شمارہ: 1 جنوری 2016

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/روپے سالانہ 100/روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، چھتہ بازار، حیدرآباد-500002

فون:040-24415194

آپس کی باتیں

دوستو! نئے عیسوی سال 2016 کا پہلا شمارہ حاضر ہے۔ جنوری کا مہینہ ہمارے ملک کے لیے کافی اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان کی تاریخ کا دوسرا سب سے اہم دن یوم جمہوریہ جنوری میں ہی آتا ہے۔ 26 جنوری 1950 کو ہمارے ملک میں دستور ہند کا نفاذ ہوا تھا جس کی رو سے ہندوستان میں مختلف زبانوں، نسلوں اور مذاہب کے ماننے والوں کو برابری کا درجہ دیا گیا۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم دنیا کی سب سے عظیم جمہوریت کا حصہ ہیں۔ آیئے ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ ہم اپنے آئین کی پاسداری کریں گے اور ملک میں امن و آشتی کا ماحول بنانے کی کوشش کریں گے۔

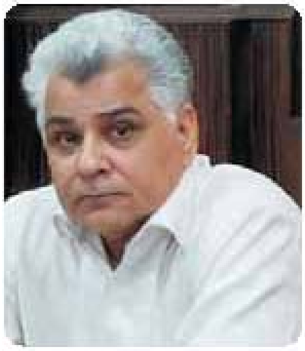

اسی ماہ میں 24 تاریخ کو قومی بالیکا دیوس (لڑکیوں کا قومی دن) بھی منایا جاتا ہے۔ یہ دن اس لیے لڑکیوں کے نام کیا گیا تا کہ ہم لڑکیوں کی اہمیت وصلاحیت کو جان سکیں۔ اس دن کے منانے کا آغاز 2008 سے ہوا۔ اس دن کا مقصد لڑکیوں کے حقوق کا تحفظ، لڑکیوں کے تئیں مردوں کی غلط سوچ کو ختم کرنا، لڑکیوں کی تعلیم و ترقی کی کوششیں کرنا ہیں۔ آج لڑکیاں کسی بھی شعبے میں لڑکوں سے کم نہیں ہیں بلکہ وہ لڑکوں سے بہتر کر رہی ہیں لیکن ہمیں اس سمت میں مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے تا کہ لڑکیوں کو بہتر اور سازگار ماحول مل سکے اور وہ ترقی و کامیابی کی نئی تاریخ رقم کر سکیں۔ اس دن کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے پورے ملک میں مختلف تقریبات، سیمینار اور پروگراموں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ مرکزی سرکار نے ریاستی سرکاروں کو واضح طور پر یہ ہدایت دی ہے کہ لڑکیوں کے تئیں بھید بھاؤ کو ختم کیا جائے، انھیں آگے بڑھنے میں مدد دی جائے اور ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے۔ آج ہمارے ملک میں سیاست، تعلیم، کھیل اور دیگر شعبہ حیات میں لڑکیاں اچھا کر رہی ہیں اور ملک کا نام روشن کر رہی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کریں اور ہر قدم پر ان کا ساتھ دیں۔ ملک کی کامیابی تب ہی ممکن ہے جب ہم لڑکیوں کو بھی برابری کا حق دیں گے اور انھیں مختلف میدانوں میں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کریں گے۔ ہم نے اس شمارے میں لڑکیوں کے قومی دن کی مناسبت سے کچھ تحریریں جمع کی ہیں تا کہ آپ معاشرہ میں ان کی معنویت اور اہمیت کا اندازہ کر سکیں اور ان کے خوابوں کی تکمیل میں بھی مدد کر سکیں۔

نئے عیسوی سال 2016 کا استقبال مضبوط قوت ارادی اور پورے سال کی منصوبہ بندی کے ساتھ کریں تا کہ آپ سب اس سال میں بہتر کرتے ہوئے اپنی زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کر سکیں۔ جو کام گذشتہ سال پورے نہیں ہوئے ہیں انھیں اس سال ضرور پورا کریں۔ ہماری دعا ہے کہ نیا سال ہمارے ملک کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں امن اور خوشحالی لے کر آئے۔

آپ سب کو یوم جمہوریہ اور نئے سال کی ڈھیر ساری مبارکباد!

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

□ سب سے پہلے تو آپ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے تمام رسائل کی خوبصورت تزئین کاری اور معیاری اشاعتوں کے لیے مبارکباد قبول فرمائیں۔ اللہ نظرِ بد سے بچائے۔ آج اردو والے کسی بھی زبان کے بہتر سے بہتر رسالے کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کر سکتے ہیں۔ واقعی آپ تمام حضرات کی محنت دھن اور لگن ودواثر دکھانے لگی ہے۔ جس کے باعث اردو کا حسن و جمال اور اس کی دوشیزگی بس دیکھتے ہی بنتی ہے۔ ہم اردو والوں کے دلوں میں کم مائیگی کا جو احساس تھا اسے آپ نے یکسر ختم کر دیا ہے۔ اللہ اس سلسلہ کو تا دیر قائم رکھے، آمین!

بلو آر کے، اچلپور، شہر

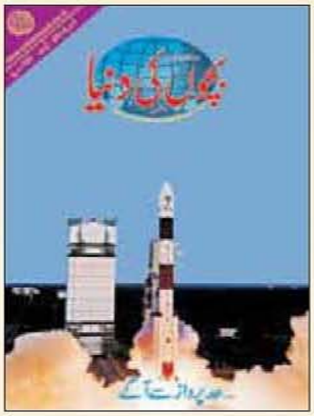

□ 'بچوں کی دنیا' بصیرت افروز ہوا۔ خود مجھے اور میرے بچوں کو یہ رسالہ بے حد پسند ہے۔ اردو زبان کا غالباً بچوں کے لیے یہ پہلا رسالہ ہے جو اپنے تمام تر معیار پر کھرا اُترتا ہے۔ آپ نے بچوں کی نفسیات کا بھی پورا پورا خیال رکھا ہے اور ان کے مزاج کی تخلیقات کو ترجیح دی ہے۔ اس قدر خوب صورت اور خوب سیرت رسالے کی اشاعت پر ہم سب آپ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

مناظر حسن شاہین، مڈل اسکول لکشمی پور، گیا (بہار)

□ اپنے بچپن میں کھلونا پڑھا کرتا تھا، سراج انور کا دوڑتا جنگل ابھی تک یاد ہے۔ بڑا ہوا تو، امنگ، بچوں کی نرالی دنیا اور اچھا ساتھی وغیرہ پرچوں میں اپنی تخلیقات بھیجتا رہا، اب میرے بچے اور بھائی جان کی نواسیاں اور پوتیاں 'بچوں کی دنیا' کے گرویدہ ہیں۔ ان بچوں کے لیے جب کتاب آتی ہے تو میں بھی از اول تا آخر ختم کر کے ہی دم لیتا ہوں۔

محمد نسیم قمر، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات، ریلپار، آسنسول

□ مکرمی! ہندوستان کی تاریخ میں 'بچوں کی دنیا' جیسا جاذب نظر اور دلکش رسالہ شاید ہی اس سے پہلے شائع ہوا ہو۔ میں ایک اسکول میں درس و تدریس سے وابستہ ہوں۔ ہمارے اسکول میں ہر ماہ 300 سے زائد طلبہ وطالبات اس رسالے کے خریدار ہیں۔ ناچیز بھیونڈی شہر سے جاری ہفت روزہ 'حالات' میں سب ایڈیٹر کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس رسالے کو اردو کے بدخواہوں سے حفاظت کرے اور آپ کی محنتوں کا اجر عطا کرے۔

عبدالرحمٰن یوسف، بھیونڈی

□ 'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ ملا۔ آپ نے جس خوبصورت ڈھنگ سے اسے سجا سنوار کر پیش کیا ہے اس سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے اس کے لیے آپ کا مشکور ہوں۔

کرشن پرویز، کھرار، ضلع موہالی، پنجاب

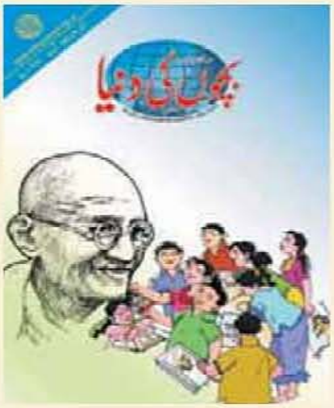

خاص کر شادی گڑیا گڈے کی، بچپن کی یاد دلا دیا۔ امی جان میٹھے چاول پکاتی تھیں اور باجی اپنے سہیلیوں کو بلاتی تھیں اور گڑیا گڈے کی شادی کرتے تھے۔ خوشیوں کا سماں ہوتا تھا۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو کے لیے بہت ساری داد!

محمد طاہر اشرف، جھنگ، پنجاب، (پاکستان)

□ امید قوی ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ میں پہلی مرتبہ لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں لہٰذا آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ 'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتے ہوئے باصرہ نواز ہوا۔ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، پرمغز ہونے کے ساتھ ساتھ جاذب و پرکشش بھی ہے۔ یہ رسالہ بچوں کے دیگر رسالوں میں ایک منفرد خصوصیت رکھتا ہے۔

محمد نوشاد کولکتوی، گارولیا، 24 پرگنہ، کولکاتا

□ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بچوں کے معیار اور ان کی نفسیات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے شائع ہو رہا ہے۔ اس کے لیے بہت بہت مبارکباد قبول کیجیے۔ این سی پی یو ایل میں آپ کی تشریف آوری سے اردو زبان اور ادب میں نمایاں کامیابی حاصل ہوگی۔

ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی، فرحت منزل، کالی پلٹن، ٹونک، راجستھان

□ نومبر 2015 کا شمارہ بہت اچھا ہے۔ مجھے بہت پسند آیا ہے۔ لیچی کے فوائد، روبوٹ کی کہانیاں، پہچانو میں کون، موسم کے پھل، ایک تھا لکڑہارا، ننھا گلاب، عقل کی شکل اور

□ 'بچوں کی دنیا' ماہ نومبر 2015 کا موصول ہوا، ایک عرصہ بعد پڑھنا شروع کیا تو بہت اچھا محسوس ہوا، ننھے منے ذہنوں کی تربیت کے لیے یہ جریدہ خوب صورت ہے۔

سید احمد

□ پہلی مرتبہ رسالہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اگرچہ یہ بچوں کی دنیا ہے لیکن ہر شخص میں تمام عمر ایک بچہ موجود رہتا ہے سو رسالہ بہت پسند آیا اتنے معیاری رسالے کی اشاعت پر تہہ دل سے مبارکباد قبول کیجیے!

آمنہ عالم، کراچی، پاکستان

□ ماہِ اکتوبر کا 'اداریہ' بہت اچھا ہے۔ مہاتما گاندھی، لال بہادر شاستری، دشہرہ، دانیال کی چڑیا، ہمارا دل اور ہم، مادری زبان، اور لوری، جیسی کرنی ویسی بھرنی، کتنی پیاری زبان ہے اردو، علم، نثری و شعری شمس و قمر نے بچوں کی دنیا کو چمکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

اشفاق کارنجوی، جی، این آزاد اردو ہائی اسکول، باڑیگاؤں، اکولہ (مہاراشٹر)

م. ناگ

پلیز مجھے پڑھنے دو

آج ایک ہفتے بعد اسکول گئی، ابا زیادہ بیمار ہو گئے تھے اسی لیے اماں نے اسکول جانے نہیں دیا—

میں پڑھنا چاہتی ہوں، میں پڑھ لکھ کر ٹیچر بننا چاہتی ہوں، ہمارے اسکول میں ٹیچر سبھی بچوں کو بہت مارتے ہیں۔ کیا بغیر مارے، پیار سے پڑھا نہیں سکتے! میں بچوں کو پیار سے پڑھاؤں گی...

ہمارے اسکول کے باتھ روم کی چھت کھلی ہے اور وہاں دیوار پر بہت سارے کبوتر رہتے یں۔ کبوتروں کی آنکھیں لال ہوتی ہیں اور وہ دن بھر غٹرغوں کرتے رہتے ہیں،— مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔ ایک بار میں باتھ روم گئی تو دروازے میں کبوتر بیٹھے تھے، میں ان کے قریب پہنچی تو وہ پھڑ پھڑا کر اڑنے لگے، میں بہت ڈر گئی اور بغیر باتھ روم کے واپس آئی۔ یہ بات میں نے اپنی اسکول کی سہیلی سکینہ کو بتائی تھی۔ پہلے ہمارے اسکول میں باتھ روم نہیں تھا ہمیں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ رضیہ کو اسی لیے چوتھی کلاس میں ہی اسکول چھوڑنا پڑا— وہ اسکول چھوڑتے ہوئے بہت رو رہی تھی۔

مجھے یہ جان کر اچھا لگتا ہے کہ میں اسکول جا رہی ہوں، جب سے ہم اس بڑے گاؤں میں آئے ہیں مجھے لگتا ہے کہ میں پڑھ سکوں گی، اس سے پہلے ہم ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے— اسکول گاؤں سے بہت دور تھا۔ اماں ابا مجھے اتنی دور اسکول نہیں بھیجنا چاہتے تھے جبکہ ہمارے گاؤں سے لڑکے لڑکیاں سب ساتھ اسکول جاتے تھے۔ میری پڑھائی چھوٹ گئی تھی۔ پھر ابا کو یہاں کی فیکٹری میں کام ملا اور ہم یہاں آ گئے۔ اب میں ساتویں جماعت میں پڑھتی

ہوں، اب میری کلاس میں دس لڑکیاں ہی بچی ہیں لڑکے پچاس ہیں۔ لیکن میں بہت خوش ہوں کہ اسکول جاسکتی ہوں۔ ابا کہتے ہیں کہ میں اس وقت اسکول جاسکتی ہوں، جب سارے گھر کی صاف صفائی کردوں، ناشتہ تیار کروں۔ ابا کہہ رہے تھے کہ ہمارے یہاں کوئی چھوٹا بچہ آنے والا ہے۔ اس لیے اماں صرف کھانا بنائیں گی۔

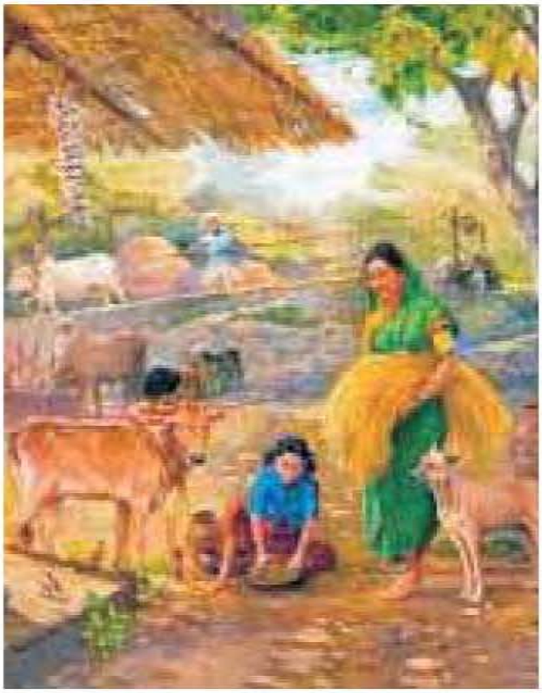

جب ابا اماں میں سے کوئی بھی بیمار ہوتا ہے تو مجھے ہی گھر کا سارا کام دیکھنا پڑتا ہے۔ میں صبح اپنے بھائی کو اٹھاتی ہوں جو تیسری میں پڑھتا ہے، ہم منھ ہاتھ دھوتے ہیں، میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔ بھائی کو نہلاتی ہوں، اماں کو دوا پلاتی ہوں، ابا کا کچھ کام ہو تو کردیتی ہوں، پھر ہوم ورک کرتی ہوں۔

میں اور اماں چائے پیتے ہیں، ابا اور بھائی کو دودھ ملتا ہے۔ مجھے کبھی دودھ نہیں ملا۔ مجھے دودھ بہت اچھا لگتا ہے۔ بھائی کے پاس سوئیٹر بھی نیا ہے، اس کے لیے نئی گرم ٹوپی آگئی ہے۔ میرے پاس وہی پرانا سوئیٹر ہے۔ میرے پاس دستانے نہیں ہیں۔ صبح برتن دھونے کے بعد اسکول جاتے ہوئے مجھے بہت ٹھنڈ لگتی ہے— انگلیاں اکڑ جاتی ہیں اور میں لکھ بھی نہیں پاتی۔ میں نے اماں سے کہا تو انھوں نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ جتنے دن اسکول جانے کو مل رہے ہیں۔ چپ چاپ چلی جاؤں—

اماں کہہ رہی تھی بہت جلد میری پڑھائی چھڑادی جائے گی اور میری شادی ہوجائے گی۔ کل میری سالگرہ تھی مگر اماں نے مٹھائی نہیں منگوائی۔ میں بہت روئی تھی کہ بھائی کی سالگرہ پر تو کیک آیا تھا۔ رونے پر اماں نے مجھے خوب مارا اور پھر خود بھی رونے لگی..... ان کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ اماں کہہ رہی تھیں ابا کو بہت کم پیسے ملتے ہیں۔

ابا کہہ رہے تھے کہ بھائی کی سالگرہ پر اس لیے کیک آیا کیونکہ وہ لڑکا ہے وہ کہتے ہیں کیک صرف لڑکوں کے لیے آتا ہے اور مجھے اگر مٹھائی کھانے کا شوق ہے تو خود بنانا سیکھ لوں۔

تو کیا میں اسکول نہیں جاسکوں گی؟ مجھے تو پڑھنا ہے۔ میں ابا سے کہوں گی کہ پلیز مجھے اسکول جانے دو، میں گھر کا سارا کام کروں گی، برتن دھوؤں گی، جھاڑو لگاؤں گی، پانی بھروں گی، کھانا بناؤں گی اور کوئی ضد بھی نہیں کروں گی۔ مجھے نیا سوئیٹر نہیں چاہیے، کیک بھی نہیں چاہیے—

میں اسکول کے باتھ روم والے کبوتروں سے بھی نہیں ڈروں گی.... لیکن پلیز مجھے پڑھنے دو۔

■

Meem Naag, R.No 4, Jaya Talkies Compound
Borivali (West), Mumbai - 400092

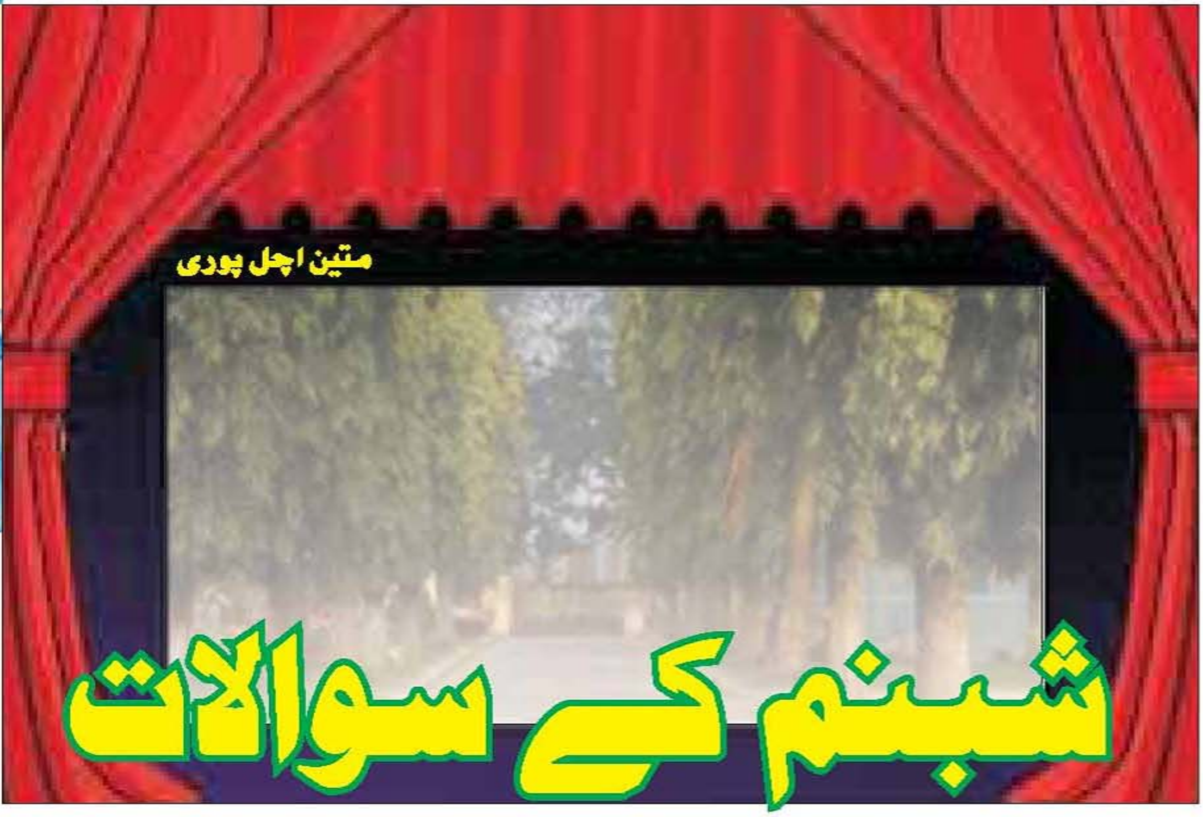

متین اچل پوری

شبنم کے سوالات

اسکول کے گیٹ کے دائیں بائیں اشوکا کے درخت سبز پوشاک پہنے سنتری کی طرح سیدھے کھڑے ہوئے دور سے دکھائی دے رہے ہیں۔ میدان کے کنارے کنارے گل مہر کے درخت اپنی ڈیرے دار سرخ چھتریاں کھولے ہوئے جھوم رہے ہیں ۔ اسکول کے میدان میں خوش رنگ پنڈال پڑا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر پر گانے کا ریکارڈ ننھے منے بچوں کی سریلی آواز سارے ماحول میں بکھیرے جا رہا ہے:

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

خوشنما پنڈال میں شہر کی مختلف اسکولوں سے آئی ہوئی بچیاں قطاروں میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اسکول یونیفارم کے الگ الگ رنگوں کی وجہ سے یہ منظر بڑا خوشنما دکھائی دے رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی بہت بڑے باغ میں مختلف رنگ کے پھولوں کے تختے اپنی بہار دکھا رہے ہوں۔

اسکول کے گیٹ پر سفید بے داغ کار آہستہ سے رکی۔ آج کے جلسے کی صدر میونسپل کارپوریشن کی میئر رجنی تائی ڈائس پر تشریف لائیں۔ استقبال کمیٹی کی طالبات نے پھول پیش کر کے ان کا استقبال کیا۔ پانچویں جماعت کی طالبات نے دل موہ لینے والا استقبالیہ گیت پیش کیا۔

آج ''بالیکا دن'' کے موقع پر انٹر اسکولز کلچرل پروگرامس میں اول آنے والی مولانا ابوالکلام آزاد اردو اسکول، رام رحیم نگر کی طالبہ فاطمہ شیخ کو شہر کی چیئرپرسن کے ہاتھوں انعام دیا جائے گا۔ ڈائس کے دائیں کنارے پر تین کرسیاں رکھ کر صدر اور مہمانانِ خصوصی سے ان کرسیوں پر آ کر بیٹھنے کی گذارش

کی گئی تاکہ انعام یافتہ پروگرام پیش کیا جا سکے۔اب ڈائس کے بیچ ایک میز اور دو کرسیاں لا کر رکھی گئیں ۔ دائیں طرف کے داخلی دروازے سے فاطمہ شیخ اور ساتویں جماعت کی طالبہ شبنم داخل ہوئیں ۔وہ دونوں کابل اور پیرس کی گڑیوں کی طرح بے حد حسین لگ رہی تھیں ۔دونوں گڑیوں نے تھوڑا آگے کی طرف جھک کر پہلے مہمانوں کو اور پھر پنڈال میں بیٹھے ساتھیوں کو سلام کیا۔تالیوں کی گونج کے درمیان آٹھویں

تین دن سے ہونے والے کلچرل پروگراموں میں اس مرتبہ جو پروگرام اول نمبر آنے کا حق دار قرار پایا ہے وہ ایک انٹرویو کی صورت میں ہے اس طرح کے انٹرویو آئے دن ٹی وی پر دیکھنے میں آتے ہیں ۔اپنے پیغام کو انٹرویو کے ذریعہ عوام تک موثر انداز میں کیسے پہنچایا جا سکتا ہے، اس انٹرویو سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا۔انٹرویو لیا جا رہا ہے چھٹی جماعت کی ہر دل عزیز طالبہ فاطمہ شیخ سے اور انٹرویو لے رہی ہے ساتویں

جماعت کی طالبات کا بنایا ہوا اسکول کا ایک نہایت خوش ماڈل میز پر لا کر رکھا گیا۔

صدر معلّمہ مائک پر تشریف لائیں ۔گل مہر کے پھولوں کی چھتریوں کی طرح پورے پنڈال میں خاموشی چھا گئی۔صدر معلّمہ کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا ”معزز صدر جلسہ ، مہمانانِ خصوصی، شہر کی مختلف اسکولوں سے تشریف لائے ٹیچرس اور پیاری بچیو! اس اسکول میں گذشتہ

جماعت کی طالبہ شبنم خان........لیجیے میں ان دونوں طالبات اور آپ کے درمیان سے ہٹ رہی ہوں تاکہ آپ سب اس انٹرویو میں شامل ہوکر پروگرام کا مزہ بھی لیں اور اس سے فائدہ بھی اٹھائیں۔“

ایک بار پھر پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا۔چند لمحے گذرے تھے کہ شبنم کی آواز نے ماحول کو پھولوں کی سی خاموشی عطا کردی۔

شبنم: (فاطمہ شیخ سے مخاطب ہو کر) بہن ! میں سب سے پہلے آپ کا اس پروگرام میں استقبال کرتی ہوں۔

فاطمہ شیخ: شکریہ بہن، بہت بہت شکریہ!

شبنم: میں چاہوں گی کہ سب سے پہلے آپ اپنا تعارف کرادیں۔

فاطمہ شیخ: (شبنم سے مخاطب ہو کر)

فاطمہ شیخ میں آج کی ہوں
میرا بھارت دیش مہان
گیان پریم میری خوبی
دیش پریم میری پہچان

شبنم: آپ کہتی ہیں کہ آپ کو علم سے محبت ہے، گیان سے پریم ہے، بعض لڑکیاں کہتی ہیں کہ وہ کیوں پڑھائی لکھائی کریں، علم کس لیے حاصل کریں اس خیال سے وہ اسکول سے دور بھاگتی ہیں۔

فاطمہ شیخ: وہ ایسا سوچتی ہیں تو بڑی بھول کرتی ہیں۔ میں اپنا معاملہ اپنی ان بہنوں سے بالکل مختلف پاتی ہوں۔ میں اگر....

پڑھنے سے کتراؤں تو
ہوگی بھاری بھول مری
گویا فرشتے ہیں استاد
جنت ہے اسکول مری

شبنم: آپ کو علم حاصل کرنے کا اتنا شوق ہے۔ کیا آپ کے والدین اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں؟

فاطمہ شیخ: یہ سوال خوب مزے دار کیا ہے آپ نے میرا تو یہ حال ہے کہ

امی پر صدقے جاؤں
ابو کی دیوانی ہوں
وہ بیچارے ان پڑھ تھے
میں ان کی استانی ہوں

(فاطمہ شیخ کا یہ جواب سن کر تمام پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا، صدر جلسہ بھی مسکرا کر تالیاں بجانے لگیں)

جتنا ہے ارمان پڑھیں
ہم کو بھی آزادی ہے

شبنم: ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایسی لڑکیوں کے ماں باپ انھیں اسکول جانے سے روکتے ہیں۔ اس صورت میں وہ بیچاریاں کیا کریں؟

فاطمہ شیخ: بہن! آپ تو جانتی ہو کہ ضد بھی ہمارا ایک بڑا اچھا ہتھیار ہے خود کو مجبور پانے والی ایسی بہنیں اسکول جانے کے لیے ضد کریں۔ وہ اپنے والدین کے آگے ہتھیار نہ ڈالیں، کھانے کی بھی فکر نہ کریں۔ صاف کہہ دیں کہ:

تیاری اسکول کی ہے
ڈیڈی مجھ کو ٹوکو مت
دال بگھارو فرصت سے
ممی مجھ کو روکو مت

(سامعین نے ایک بار پھر تالیاں بجائیں۔ پروگرام کے تمام شرکاء کی توجہ اور دلچسپی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔)

شبنم: اڑوس پڑوس اور عزیز و اقارب کے یہاں شادی بیاہ کی تقریبات پڑھائی لکھائی کے کام میں رکاوٹ پیدا کر دیتی ہیں۔ بہن! آپ کو بھی اس طرح کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا۔

شبنم: آزادی حاصل کرنے کے بعد ہمارے ملک عزیز میں لڑکیوں کی تعلیم پر بہت توجہ دی جا رہی ہے لیکن کہیں کہیں آج بھی تعلیم سے دلچسپی کم ہی دکھائی دیتی ہے۔ خاص طور پر پسماندہ ذاتوں اور پہاڑی بستیوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں میں۔ آپ انھیں کیا پیغام دینا چاہیں گی۔

فاطمہ شیخ: میں اپنی ان بہنوں کو پیغام دینا چاہوں گی کہ

اپنے ان پڑھ رہنے میں
جیون کی بربادی ہے

فاطمہ شیخ: میرے ساتھ بھی یقیناً یہ معاملہ ہوتا ہے لیکن.....

ہر شادی میں جاؤں نہ میں
بات ہے یہ دل میں ٹھانی
ہٹ کے چلے مجھ سے بارات
راہ نہ روکے بریانی

شبنم: ارے واہ آپ کے علم کے چٹخارے کے آگے تو بریانی بھی مات کھا گئی۔ہاں! بریانی کی بات نکلی تو اک بات یاد آتی کہ آجکل اسکولوں میں دیگیں چڑھ رہی ہیں۔طلبہ کو کھچڑی کھلائی جارہی ہے آپ کو یہ سب کیسا لگتا ہے۔

فاطمہ شیخ: (بات کاٹ کر)

ہر دن شادی گھر جیسا
بار مجھے یہ شور لگے
علم کے گہوارے میں سکھی
کھانا پینا بور لگے

شبنم: پہلے استاد کی سختی اچھی سمجھی جاتی تھی۔آج یہ کہا جارہا ہے کہ تعلیم سے مسرت حاصل ہو۔خوشی حاصل ہو۔کسی طالبِ علم کو سزا نہ دی جائے آپ استاد کی سختی کے بارے میں کیا کہنا چاہوگی۔

فاطمہ شیخ: استاد اپنے سبق کو اس طرح پڑھائیں کہ ہمیں ایک طرح کی لذت حاصل ہو۔ہم بالکل بور نہ ہوں۔لیکن........

شبنم: لیکن کیا؟

فاطمہ شیخ:

بے جا لاڈ کو سمجھوں بیر
چھاؤں کو دکھ کی شام کہوں
کڑوی دوا پہنچائے فیض
مار کو میں انعام کہوں

(سامعین میں کچھ چہروں پر مسکراہٹ کے رنگ نظر آئے اور کچھ چہرے سپاٹ رہے۔)

(شبنم نے اگلا سوال پوچھا۔)

شبنم: فاطمہ آپ تو جانتی ہو کہ آج تعلیم بہت مہنگی ہو چکی ہے۔ مہنگائی ہے کہ آسمان سے باتیں کر رہی ہے ۔اِس صورت میں آگے تعلیم جاری رکھنا بڑا دشوار ہو گیا ہے۔اِس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

فاطمہ شیخ: ہاں مہنگائی تو بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔اور تعلیم جاری رکھنے میں مشکلات کا سامنا بھی ہے۔مگر.....

چاہے رات اندھیری ہو
دھیان لگا کر پڑھنا ہے
پل پل کرنیں بکھرانے
تل تل مجھ کو بڑھنا ہے

شبنم: اس طرح تعلیم حاصل کرتے ہوئے اور زینہ زینہ آگے بڑھتے ہوئے آپ کیا محسوس کرتی ہو۔

فاطمہ شیخ:

صبح علم کی اجلی دھوپ
علم ،چاندنی راتوں کی
بڑھتی ہی جاتی ہے سکھی
روشنی میری آنکھوں کی

شبنم: دھوپ کا تعلق تو سورج سے ہے۔ سورج طلوع ہوتا ہے تو دھوپ چاروں طرف پھیلتی چلی جاتی ہے۔

فاطمہ شیخ: (مسکراتے ہوئے) بہن ذرا سوچ تو سہی !ہماری اپنی زندگی میں اور ہماری سماجی زندگی میں نئی صبح علم ہی کے سبب تو آئے گی۔ علم کے بغیر نئی صبح کا خیال نہیں کیا جاسکتا ہے۔

بات سہیلی مان مری
وہ نہ کہیں سے نکلے گی
لکھ، اپنی تختی پر لکھ
صبح یہیں سے نکلے گی

شبنم: ارے واہ! یہ بھی خوب رہی! آپ نے تو اپنا رتبہ سورج سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔

فاطمہ شیخ: (مسکراتے ہوئے)

اس سے میں رتبے میں بڑی
روز نکل کر دیکھتا ہے
کمرے کی کھڑکی سے مجھے
سورج جل کر دیکھتا ہے

شبنم: بہن! آج آپ نے میری آنکھیں کھول دیں ۔شیطان بھی دل میں خوب وسوسے ڈالتا ہے۔

فاطمہ شیخ: شبنم! شیطان کا کام ہی انسان کے دل میں نئے نئے وسوسے ڈالنا ہے۔ اور طالبِ علم کو تو اسکول کے باہر ایک بازار سا دکھائی دیتا ہے۔ جو اسے علم کے راستے سے ہٹا دینا چاہتا ہے۔ مگر میرے آگے شیطان کی دال مطلق نہیں گلتی۔

شبنم: وہ کیسے؟

فاطمہ شیخ:

میں بازار سے گھبرا کر
لیتی ہوں مکتب کی پناہ
الٹا سیدھا دور آیا
اِس ابلیس سے رب کی پناہ

شبنم: علم کی روشنی گھر گھر پھیلے، علم کا چرچا عام ہو جائے اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔

فاطمہ شیخ: اِس کے لیے تو ہم سب کو آگے آنا ہوگا۔ یہ احساس ہم سب کے دلوں میں جاگ جائے۔ اور پھر...

علم کے پھیلانے کی بات
مسجد کے خطبات میں ہو
علم کی دولت کا چرچا
میّت میں، بارات میں ہو

شبنم: محض علم کا چرچا عام ہو جانے سے تو بات نہیں بنتی۔ اس کے لیے ہر طالبِ علم کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔

فاطمہ شیخ: آپ سچ کہتی ہو بہن، اس کے لیے ہمیں سچی لگن اور سخت محنت کی ضرورت ہے۔ کسی نے کیا سچ بات کہی ہے کہ...

گہنا کیا بن پاتا ہے
سونے کو پگھلائے بغیر
جیون بگیا سونی ہے
محنت کے گن گائے بغیر

شبنم: اللہ اللہ! علم سے اور اسکول سے ایسا لگاؤ کم ہی دیکھنے کو ملا ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی اس کا راز کیا ہے۔ اسکول

سے ایسی محبت اور علم حاصل کرنے کی ایسی لگن یہ خوبیاں آپ میں کیسے پیدا ہوئیں۔

فاطمہ شیخ:

مجھ کو لگا ہے چٹخارا
املی، کھٹائی سے اسکول
رہتے ہیں سنڈے کو اداس
میں بلبل ، یہ میرا پھول

شبنم: فاطمہ! شہر کے جس محلے میں آپ رہتی ہو وہاں زیادہ تر غریب اور مزدور پیشہ لوگ بستے ہیں۔ بعض لوگ تو لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے۔اپنے ان غریب اور ان پڑھ پڑوسیوں کے بارے میں آپ کیا سوچتی ہو۔

فاطمہ شیخ: یہ سوال آپ نے بہت اچھا کیا بہن،آپ نے جیسے میرے منہ کی بات چھین لی۔ میں اپنے ان پڑوسیوں کے بارے میں بہت فکر مند رہتی ہوں (بے چین ہو کر ہاتھ ملتے ہوئے)

اپنا مقدر آپ جگائیں
اپنے نصیبوں کو گڑھ لیں
سوچتی رہتی ہوں اے کاش!
سارے پڑوسی لکھ پڑھ لیں

شبنم: بہن فاطمہ شیخ! آپ سے مجھے اب آخری سوال پوچھنا ہے۔ میرا آخری سوال یہ ہے کہ، اسکول سے آپ کا یہ لگاؤ، علم حاصل کرنے کی یہ جستجو یہ لگن، یہ سب آخر کس لیے۔ آخر تمھارا مقصد کیا ہے۔ تم آخر چاہتی کیا ہو۔

فاطمہ شیخ: پگلی، ہماری خوش حالی اور دیش کی ترقی اس علم سے تو جڑی ہوئی ہے۔ علم حاصل کیے بغیر ہمارا ملک ترقی

کے خواب نہیں دیکھ سکتا۔ ملک کی ترقی کا انحصار ہم سب کی ترقی پر ہے۔ اس عظیم مقصد کے پیش نظر.....

ہندوستان کے نقشے میں
رنگ نرالا بھرنا ہے
دیش کی خاطر ہم سب کو
خوب ترقی کرنا ہے

فاطمہ شیخ کی یہ بات سن کر پورا پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا۔ صدر جلسہ رجنی میڈم اور دیگر مہمانانِ خصوصی نے بھی تالیاں بجا کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

جس وقت صدرِ جلسہ کے ہاتھوں فاطمہ شیخ اور شبنم خان کو انعام دیا جا رہا تھا فوٹو گرافر نے اس لمحے کی تصویریں لے کر اچانک کیمرے کو گل مہر کے درخت کی طرف موڑ دیا۔ پھولوں کی ڈالی پر بیٹھی ایک کویل اپنی سریلی کوک سے سارے ماحول میں مٹھاس گھول رہی تھی۔

■

Mateen Achalpuri, Opp. Masjid Akbari Chowk, Bayabani, Achalpur City, Dist. Amravati - 444806 (MS)

محمد طاہر صدیقی

ایوریسٹ چوٹی پر پورنا کی فتح

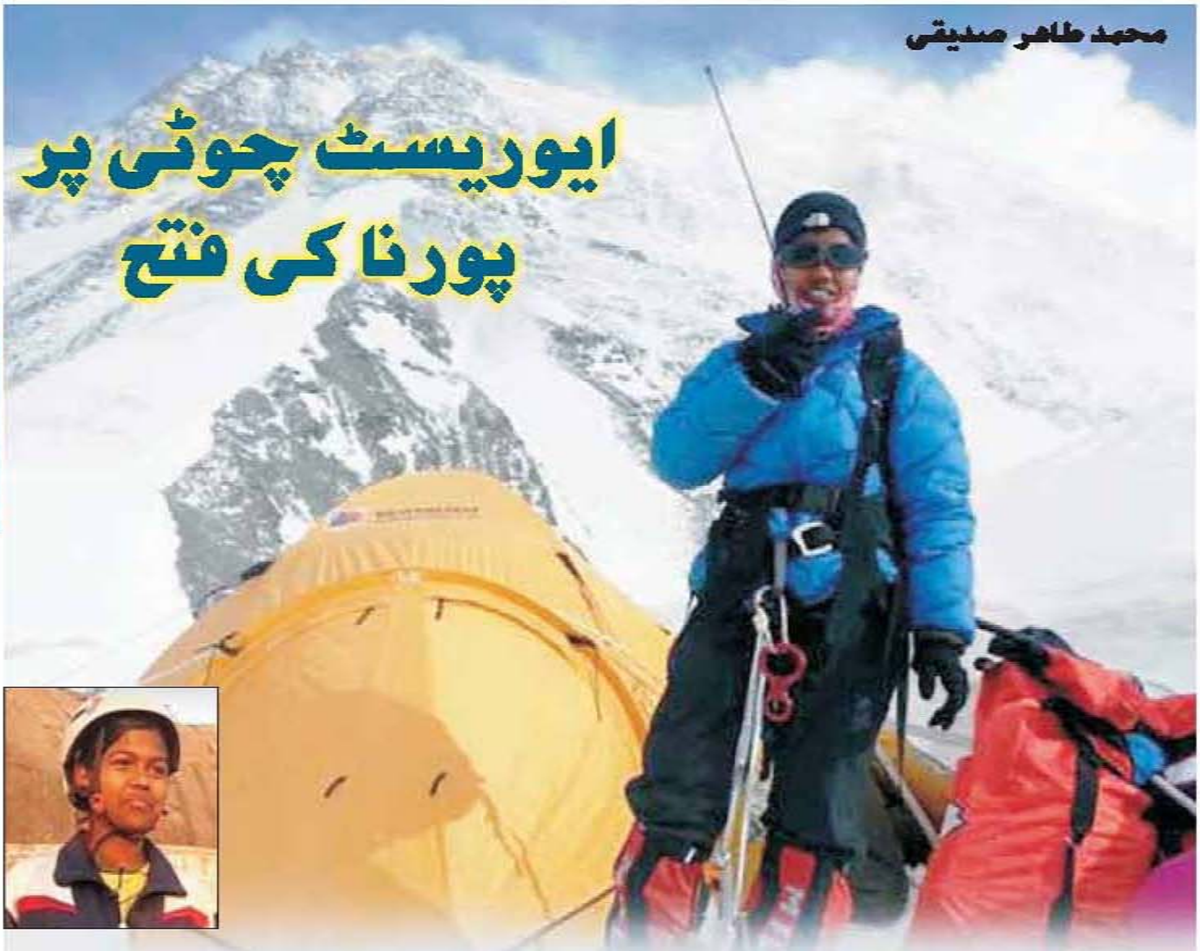

ہندوستان ایک وسیع ترین ملک ہے۔جس کی آبادی چین کے بعد پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔آبادی کے لحاظ سے اس کا پوری دنیا میں دوسرا نمبر آتا ہے یہاں کی تہذیب گنگا جمنی تہذیب ہے۔یہاں مختلف مذاہب اور قومیں آباد ہیں۔جن کی بولیاں اور رہن سہن علاحدہ ہے۔اسی ملک میں آندھرا پردیس ایک قدیم ریاست ہے جو جنوبی ہند میں واقع ہے۔ابھی حال ہی میں اس میں ایک اور نئی ریاست تلنگانہ بن گئی ہے۔جس کی جدو جہد بہت دنوں سے جاری تھی۔

ہندوستان ایک عجیب وغریب ملک بھی ہے۔یہاں کا موسم بھی مختلف ہے اور جغرافیائی حدود بھی مختلف ہے۔کہیں پہاڑ ہیں تو کہیں میدانی علاقے ہیں۔کہیں پٹھار ہیں تو کہیں سمندری کنارے پھیلے ہوئے ہیں۔ہندوستان ایک مردم خیز ملک بھی ہے یہاں سائنس داں، انجینئر، ڈاکٹر، اور اپنے میدان کے ماہر بھی پائے جاتے ہیں۔اونچے اونچے پہاڑوں کو فتح کرنے والے، سمندروں کی تہہ تک پہنچنے والے اور آسمانوں کی سیر کرنے والے سپوت موجود ہیں۔انھیں میں سے ابھی حال میں دنیا کی سب سے اونچی چوٹی کو فتح کرنے والی ایک تیرہ سال کی نوجوان لڑکی ہے۔جو باہمت، نڈر اور خطروں سے کھیلنے والی لڑکیوں میں شمار ہوتی وہ اسی نئی ریاست تلنگانہ کی رہنے والی ہے۔اس نے ابھی جلد ہی

ایوریسٹ چوٹی کو فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

پورنا کا پورا نام مالوتھ پورنا ہے۔ وہ تلنگانہ کے ایک آدی پسماندہ علاقہ کی ہے۔ وہ صرف 13 سال 11 مہینے کی تھی جب اس نے دنیا کی پانچویں سب سے اونچی چوٹی پر قدم رکھا۔ اس کا یہ عالمی ریکارڈ صرف ایک مہینہ زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں بن پایا۔ کیونکہ امریکہ کے جارڈن رومیرو اس سے صرف ایک ماہ کم تھے جب انھوں نے ایوریسٹ فتح کی تھی۔ پھر بھی ایک کم عمر لڑکی کے ذریعے بنایا گیا یہ غیر یقینی ریکارڈ دنیا میں درج ہو چکا ہے۔ یہ لڑکی تلنگانہ کے ایک پسماندہ علاقہ کی ہے۔ کوئی بھی سامان لینے کے لیے انھیں سات کلومیٹر دور تک جانا پڑتا ہے۔ آج اسے اس کوشش کے لیے کئی انعام اور ایوارڈ مل چکے ہیں۔ لیکن تلنگانہ سرکار کے ذریعے 25 لاکھ روپے اور پوگو امیجنگ کڈ ایوارڈ، ایسپائر ایوارڈ اس کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ انھیں جتنی خوشی ماؤنٹ ایوریسٹ کو فتح کرنے میں ملی تھی اتنی ہی خوشی انھیں وزیر اعظم نریندر مودی کے ذریعے انعام دیے جانے سے بھی ملی۔ وہ پوری دنیا میں ایورسٹ فتح کرنے والی سب سے کم عمر لڑکی بن چکی ہیں۔

پورنا کے اس سفر کا ذریعہ ایک آئی پی ایس افسر پروین کمار بنے۔ وہ نظام آباد کے جس پرائمری اسکول میں پڑھتی ہے وہ سوشل ریزیڈنشیل ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنل سوسائٹی کے تحت چل رہا ہے۔ جس کے سکریٹری آئی پی ایس پروین کمار جی ہیں۔ انھوں نے اتھلیٹکس میں ماہر پورنا کا سوسایٹی کے ذریعے 'اسپونسرڈ ایڈوینچر اسپورٹس' کے لیے 100 بچوں میں سے انتخاب کیا۔ پھر ان کی ٹریننگ ہوئی۔ ٹریز سیکھر بابو اور پرمیش کمار نے تقریباً دس مہینے تک ٹریننگ دارجلنگ کی خطرناک پہاڑیوں پر دی۔ اور 17000 فٹ کی اونچائی تک چڑھنے کی کوشش کی کل 16 لوگوں کی ٹیم تھی جس میں 'ڈاکٹر شیرپا' وغیرہ شامل تھے۔ تبت کی طرف سے چڑھائی کرنا بے حد مشکل ہے پھر بھی وہ تبت سے ہی اپنے محاذ کے لیے نکلے۔ راستے میں پورنا کو اُس وقت کافی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب ایک دو نہیں بلکہ پوری چھ لاشیں دیکھنے کو ملیں جو برف میں محفوظ تھیں۔ کچھ دنوں پہلے آئے ایولانچ میں 16 لوگوں کی موت ہو گئی تھی۔

''پورنا خود کہتی ہے میرے ذہن میں آیا کہ ہمت نہیں ہارنی چا

مالوتھ پورنا اپنے والد کے ساتھ

ہے۔ چڑھائی جاری رہی تیز ٹھنڈی ہوا
ئیں، آکسیجن کی کمی کی وجہ سے پاؤں
آگے بڑھ ہی نہیں رہے تھے۔ ساتھ
میں خوشی کا احساس تھا میں اپنے ساتھ
بابا صاحب امبیڈکر اور سابق آئی ایس
آفیسر، ایس آر شنکرن کی فوٹو لے کر آئی
تھی جو مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دے
رہی تھی۔ آخر 25 مئی 2014 کو میرا
اور میرے سکریٹری صاحب کا خواب
پورا ہوا کیونکہ ہمارے سامنے طاقت ور
پہاڑ اور سنہری صبح تھی۔ اس احساس کو
الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ خو
شی کے ان لمحوں میں میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے
۔ مجھے اپنے اوپر فخر محسوس ہو رہا تھا۔ ہم نے اپنا پیارا ترنگا
جھنڈا اور اپنی سوسائٹی تلنگانہ ریاست کا جھنڈا لہرایا۔ مجھے اپنی
ماں اور بھارت ماں کی یاد آئی۔ میں نے ان کو نمن کیا۔ کھا
نے کو لے کر کافی تکلیف تھی۔ ڈبّہ بند اور ٹن فوڈ کھانا ہماری عا
دت میں نہیں ہے۔ آخری ہفتے میں میں نے صرف ڈرائی فر
وٹس اور چاکلیٹ سے کام چلایا۔"

سکریٹری پروین کمار کہتے ہیں کہ پورنا میں ایک مضبوط
دل ہے اور اس کے اندر کچھ کر گزرنے کے جذبات ہیں۔
سب سے بڑی اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ پابند ہے۔ ہمارے
ٹرینرس نے محسوس کیا کہ وہ اونچائی کے دباؤ کو برداشت کر
لے گی۔ اور ایوریسٹ فتح کرنے والی دنیا کی سب سے کم عمر
لڑکی بنے گی۔ اور ہوا بھی وہی سارے قافلے میں وہی سب
سے پہلے ایوریسٹ کی چوٹی پر پہنچی۔ باقی لوگ بعد میں پہنچے۔

پورنا کے والد دیوی داس کھیت مزدور ہیں۔ وہ بتاتے
ہیں کہ جب اس کا انتخاب ہوا تو اس کی ماں رونے لگی۔ وہ
نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بچّی جان خطرے میں ڈال کر پہاڑ
پر جائے۔ ہم نے بڑی مشکل سے اسے تیار کیا۔ تقریباً ایک
ماہ تک ہمیں پورنا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ اس
کی ماں کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا۔ پھر کچھ دنوں بعد ہی
ہمیں اس کی خیریت ملی۔ 10 جون 2000 کو پیدا ہوئی۔
پورنا دسویں درجہ کی طالبہ ہے اور وہ کئی کھیلوں میں ماہر بھی
ہے۔ وہ فراٹے دار انگریزی بولتی ہے۔ اس کا ایک بڑا بھائی
بی ٹیک دوسرے سال کا طالب علم ہے۔

وزیر اعظم نریندر مودی کے ساتھ مالوتھ پورنا

■

Mohd Tahir Siddiqui,N/139-B, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110025

مہتاب بانو

چھبیس جنوری

بن کر بہار آئی ہے چھبیس جنوری
گل ایکتا کے لائی ہے چھبیس جنوری
لہرایا ہے ترنگا، سجائے ہیں اپنے گھر
ہم سب نے یوں منائی ہے چھبیس جنوری
شیکھر ہوئے شہید تو بسمل نے جان دی
قربانیوں سے پائی ہے چھبیس جنوری
لڈو ملے ہیں دیکھیے اسکول میں انھیں
بچوں کو خوب بھائی ہے چھبیس جنوری
گوتم کی سر زمین پہ، چشتیؒ کے دیس میں
بن کر گھٹائیں چھائی ہے چھبیس جنوری
دولہا بنا ہوا ہے ہر اِک ذرّہ ہند کا
دلہن سی سج کے آئی ہے چھبیس جنوری
دلکش پریڈ دلّی میں مہتاب کیسی ہے!
ٹی وی نے بھی دِکھائی ہے چھبیس جنوری

Mahtab Bano
97-F, Sector-7, DDA Flats, Jasola,
New Delhi-110025

احترام اسلام

بچوں کی غزل

دن بھر کھیلا کرتے ہو
یہ تو بے جا کرتے ہو
کیسے دوست ہو آپس میں،
تیرا میرا کرتے ہو
کون کہے تم کو اچھا
سب سے جھگڑا کرتے ہو
تف! کہ گُلوں کو ڈالی سے،
توڑ کے مَسلا کرتے ہو
خوب! کتابوں سے جو تم،
اتنا سیکھا کرتے ہو
خود بھی کرو کچھ، کیوں ہر دم،
مّمی — پاپا کرتے ہو
خود کو بتاتے ہو کہ نہیں
تم دن بھر کیا کرتے ہو

■

Ehteram Islam
635/547, Atter Suiya
Allahabad - 211003 (UP)

سید بشیر احمد بشیر

بچوں کے لیے قطعات

کامیابی

بہت مشکل ہے تو کوشش کرو تم
کبھی کوشش نہیں بیکار جاتی
اگر مضبوط ہے بچو! ارادہ
ملے گی کامیابی جگمگاتی

ماں

بھوکی رہ کر تمھیں کھلاتی ہے
خود نہ سوکر تمھیں سُلاتی ہے
ماں کو ناراض مت کرو بچو
ہر دعا ماں کی رنگ لاتی ہے

چاند کے پار چلو

رہیں گے حوصلوں کے ساتھ بچو!
کبھی ہوگی نہ اپنی ہار بچو!
بڑھاؤ ہر قدم منزل کی جانب
چلیں گے چاند کے اُس پار بچو!

جاہل بچّے

بچے جو مدرسے نہیں جاتے
وہ کہاں علم سیکھ پاتے ہیں
ان کو رتبہ کوئی نہیں ملتا
وہ بڑے ہوکے دکھ اٹھاتے ہیں

جنت

وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں
ماں سے جن کو بہت محبت ہے
اتنا اونچا ہے مرتبہ ماں کا
ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے

دوست بن کر رہنا

جب کسی سے بھی بات کرتے ہو
بات میٹھی کیا کرو بچو!
میٹھی باتوں سے دوست بنتے ہیں
دوست بن کر رہا کرو بچو!

■

Sayyed Bashir Ahmad
Block No 5, Jaihind Nagar,
Bijapur Road, Solapur - 413004 (MS)
Mob.: 09325008277

سلیم خان

ہم جب ایک ہو جائیں

26 جنوری قریب تھی۔ مولانا محمد علی اردو ہائی اسکول میں جشنِ یومِ جمہوریہ کی تیاری بڑے زور شور سے چل رہی تھی۔ طلبہ صفائی اور سجاوٹ میں لگے ہوئے تھے۔ جلسے میں حصّہ لینے والے بچّے قومی گیت، تقریریں اور مکالمے یاد کر رہے تھے۔ اب کے برس طلبہ کے اصرار پر ٹونٹی، ٹونٹی کرکٹ میچ بھی رکھا گیا تھا۔ یہ میچ جماعت ہشتم الف اور ہشتم ب کی ٹیموں کے درمیان تھا۔ دونوں ٹیمیں بڑی محنت اور لگن سے پریکٹس کر رہی تھیں۔ طلبہ کا ذوق وشوق دیکھ کر ٹیچرس بھی بڑی دلچسپی سے انھیں تربیت دے رہے تھے۔

ہفتہ کا دن 25 جنوری، اسکول ہاف ڈے تھا۔ چھٹی کے بعد ہشتم ب کے کپتان شاہد نے اپنے کھلاڑیوں کو جمع کیا اور کہا، آج چار بجے اپنے گراؤنڈ پر آجایئے، جم کے پریکٹس کریں گے۔" حامد، عابد، فاروق... سب نے ایک آواز میں جواب دیا، "بالکل، ہم سب پہنچ جائیں گے۔" "لیکن شاہد بھائی، اپنا یاروں کا یار، وقار احمد آج اسکول نہیں آیا تھا۔ اسے معلوم کر دینا چاہیے۔" عابد نے کہا۔ "ہاں، ٹھیک کہا تم نے۔ ہم اسے ساتھ لے آئیں گے، کیوں حامد۔!" "جی، انشاء اللہ ضرور۔"

شاہد اور حامد وقار احمد کے گھر پہنچے اور اسے ایک بچّے کے ذریعے بلوایا۔

"ارے آپ لوگ، کیا بات ہے۔؟"

"واہ، واہ یہ بھی خوب رہی وقار احمد، کیا تمھیں یاد نہیں کہ کل ہمارا کرکٹ میچ ہے۔"

"اوہ، سوری یار میں گھر کی پریشانی میں بھول گیا تھا۔"

"کیوں کیا ہوا؟" دونوں دوستوں نے ایک ساتھ پوچھا۔ وقار احمد نے ایک سرد آہ بھر کر کہا، ابّو کو ٹائیفائڈ ہو گیا ہے۔ امّی سلائی کڑھائی کرتی ہے، چھوٹے بھائی بہنوں کو سنبھالنا، ابّو کی تیمارداری کرنا۔ بڑی ذمہ داری ہے اس وقت مجھ پر۔ مجھے معاف کرنا دوستو۔" شاہد اور حامد ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ پھر شاہد نے سنجیدگی سے کہا، ٹھیک ہے، ہم کوئی دوسرا کھلاڑی شامل کرلیں گے لیکن آپ کی کمی پوری نہ ہو سکے گی۔"

"نہیں، نہیں دوستوں حوصلہ رکھو، انشاء اللہ جیت ہماری ہی ہوگی۔"

"اچھا ٹھیک ہے، آپ اپنے ابّو اور گھر کا خیال رکھیے، چلتے ہیں۔"

پریکٹس کے بعد شاہد نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا، "دوستو! ہمارا ایک خاص کھلاڑی میچ میں نہیں رہے گا۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر بڑی ذمہ داری سے کھیلنا ہوگا۔ آپ فکر نہ کریں شاہد بھائی ہم سب آپ کی مرضی کے مطابق کھیلنے کی کوشش کریں گے۔" کھلاڑیوں نے ایک آواز میں کہا۔

دوسرے دن تمام طلبہ سات بجے اسکول پہنچ گئے۔ پہلے بڑے اہتمام سے رسمِ پرچم کشائی کی گئی، پھر گاؤں میں جشن جمہوریہ کی ریلی نکالی گئی۔ پروگرام کے مطابق ٹھیک نو بجے اسکول کے ہال میں جلسہ منعقد کیا گیا۔ طلبہ نے حُب الوطنی کے موضوع پر بہترین تقریریں، قومی گیت اور ڈرامے پیش کیے۔ سامعین نے انعامات دے کر ان بچوں کی بڑی قدردانی کی۔ اس کے بعد کرکٹ میچ کے لیے پورا مجمع گراؤنڈ پر پہنچا۔ اساتذہ، اسکول کمیٹی کے اراکین پیڑ کے گھنے سائے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ طلبہ حسبِ معمول میدان کے اطراف گھیرا بنا کر بیٹھ گئے تھے۔ امپائر فزیکل ٹیچر سراج ملک اور

دونوں ٹیمیں میدان میں اُتر چکی تھیں۔ عارف عزیز کپتان ہشتم الف نے ٹاس جیتا اور بلّے بازی سے اپنے کھیل کا آغاز کیا۔ ہر کھلاڑی نے بہترین کھیل کا مظاہرہ کیا اور کچھ نہ کچھ رن بنا کر اسکور میں اضافہ کیا۔ عارف عزیز نے دھواں دھار بیٹنگ کی اور ہاف سنچری بنا کر اپنے کپتان ہونے کا حق ادا کیا۔ اس طرح ہشتم الف نے آٹھ وکٹ گنوا کر 123 رنوں کا ٹارگیٹ Target رکھا۔

دس منٹ ریسٹ کے بعد ہشتم ب نے بڑی خود اعتمادی سے بلا سنبھالا، مگر شروعات بہت خراب رہی۔ ابتدائی سات اوور میں ہی پانچ کھلاڑی آؤٹ ہو گئے اور ٹیم میں مایوسی پھیل گئی۔ لیکن شاہد بڑی سنجیدگی سے کھلاڑیوں کی رہنمائی کرتا رہا۔ ٹیچرس بھی اس کی ہمت بڑھاتے رہے۔ اس کے بعد جب عابد اور باقر پچ پر آئے تو انھوں نے ایسا رنگ جمایا کہ اسکور 100 (سو) تک پہنچا دیا اور میچ کا رخ بدل دیا۔ ناظرین کو خوب مزہ آ رہا تھا۔ آخری جوڑی شاہد اور فاروق کھیل رہے تھے۔ 19، اوور میں 118 رن بن چکے تھے۔ عارف عزیز نے ایسی فیلڈنگ لگائی کہ فاروق پر گھبراہٹ طاری ہوگئی اور وہ چار بال میں صرف ایک ہی رن بنا پایا۔ اب شاہد بالر کے سامنے تھا۔ بال پر اس کی بڑی گہری نظر تھی

لاسٹ ون بال پر پوری طاقت سے اس نے چھکا مارنے کی کوشش کیا مگر بال بیٹ پر ٹھیک سے نہیں آسکی اور اسے مشکل سے دو رن مل پائے۔

عارف عزیز تجربہ کار کھلاڑی تھا۔ اس نے اپنے کھلاڑی بونڈری پر پھیلا دیے، کیونکہ اب شاہد کو جیت کے لیے چوکا مارنا ضروری تھا۔ شاہد نے دل ہی دل میں اللہ سے دعا کی اور دو رکعت نمازِ شکر ادا کرنے کی نیت کی۔ ''اس میچ کی آخری گیند شاہد عمر کے لیے۔'' کومینٹیٹر (commentator) کی جوشیلی آواز سن کر ناظرین دم بخود ہو گئے۔ شاہد کی عقابی نظر گیند پر تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے بلاّ گھمایا، اس کا قیاس صحیح ثابت ہوا۔ اس مرتبہ گیند سیدھی بلّے پر آئی اور سنسناتی ہوئی فیلڈر کے سر سے گزر گئی۔ کھلاڑی دیکھتے ہی رہ گئے کہ یہ چوکا نہیں، چھکا تھا، ایک بے مثال چھکا۔ اور اس کے ساتھ ہی فضا میں ہشتم کی فتح کے نعرے گونج اُٹھے۔ کچھ دیر تک میدان پر بڑی دھوم دھام، اچھل کود اور شور برپا رہا۔ اساتذہ نے طلبہ کو ادب سے بٹھایا اور پھر صدر مدرس صاحب نے اپنے تاثرات بیان کیے: ''پیارے بچّو! یہ کرکٹ مقابلہ بڑا شاندار اور دلچسپ ہوا ہے۔ ہمیں ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم ورلڈ کپ میچ دیکھ رہے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے دونوں ٹیمیں انعام کی حقدار ہیں، لیکن عزیزو! میچ میں ہار جیت تو ہوتی ہی ہے۔ اگر آخری گیند پر شاہد میاں چھکا نہ مارتے تو جیت ہشتم الف کی ہو جاتی اس لیے ہم شاہد کے ساتھ عارف عزیز کو بھی مبارک باد دیتے ہیں۔ اس کے بعد کمیٹی کے صدر نے کپتان شاہد یعنی ٹیم ہشتم ب کو جیت کے انعام سے نوازا، اور سو روپے کا خصوصی انعام عارف عزیز کو پیش کیا۔ طلبہ اور سامعین نے تالیاں بجا بجا کر ان کی خوب پذیرائی کی۔

دوسرے دن شاہد نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ''دوستوں وقار احمد کو اپنی جیت کی خوش خبری معلوم کرنا چاہیے۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ اس کے ابّو دواخانے میں ایڈمٹ ہیں۔ وہ ابھی پریشان ہوگا''۔ عابد نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''تب تو اس کے ابو کی عیادت کے لیے جانا لازمی ہے۔'' یہ کہہ کر شاہد کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ اسے فکر مند دیکھ کر حامد نے کہا، ''شاہد بھائی، وقار احمد کے ابّو کے

لیے کچھ پھل اور ناریل پانی ساتھ لے جائیں گے۔'' حامد نے رائے پیش کی۔ ''ضرور، ضرور وہ ہمارے دوست کے والد ہیں۔'' باقر نے اس کی تائید کی۔ یارو، میں قدر کرتا ہوں آپ کے جذبات کی، لیکن میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔'' ہاں ،ہاں کہیے شاہد بھائی ،آپ کیا سوچ رہے ہیں ؟'' عابد، فاروق... سب نے ایک ساتھ پوچھا۔

''کیا آپ لوگ میری بات مانیں گے؟''

''کیوں نہیں، ہم سب ایک ہیں۔''

''دوستو! وقار احمد کے ابو مزدور آدمی ہیں، ان کی مالی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ دواخانے کا بل ادا کرنا ان کے لیے بہت مشکل ہوگا۔ ایسے حالات میں ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ میرا مطلب ہے ہمیں جو پانچ سو روپے انعام ملے ہیں، کیوں نہ ہم خاموشی سے دواخانے کے بل میں جمع کرادیں۔''

''کیا بات ہے شاہد بھائی، ہم سب بخوشی راضی ہیں، کیوں دوستو!'' حامد نے پوچھا۔؟ سب نے اس کی تائید کی ہاں، ہاں ہم سب رضامند ہیں۔''

چھٹی کے بعد سب ساتھی شاہد کے ہاں جمع ہوئے اور پھر دواخانے پہنچے۔ سب نے وقار احمد کے ابو کی عیادت کی۔ بچّوں کا خلوص دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے

انھوں نے بتایا کہ اب طبیعت ٹھیک ہے۔ کل دواخانے سے چھٹی مل جائے گی۔ یہ بات سن کر شاہد اور حامد فوراً ڈاکٹر صاحب سے ملنے نکل گئے۔

''ڈاکٹر رضوان ملِک M.B.B.S.Puna'' کمرے کے باہر نیم پلیٹ دیکھ کر وہ رک گئے۔ جھانک کر دیکھا، ڈاکٹر صاحب اخبار پڑھ رہے تھے۔

''May I come in sir?''

''Yes come in''

''السلام علیکم۔!''

''وعلیکم السلام۔!!''

''ہم وقار احمد کے دوست ہیں ڈاکٹر صاحب۔!''

''کون وقار احمد!؟''

''وہ لڑکا جس کے ابو آپ کے دواخانے میں ایڈمٹ ہیں۔!''

''اچھا، اچھا کہیے کیا بات ہے؟''

''ڈاکٹر صاحب، ہمارے دوست کے ابو بہت غریب آدمی ہیں، اس لیے ہم خاموشی

سے ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔کیسی مدد
ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔

’’یہ پانچ سو روپئے آپ ان کے بل میں جمع کرلیجیے، ان کی پریشانی کچھ کم ہوجائے گی۔‘‘

’’اچھا، یہ بات ہے۔ڈاکٹر صاحب نے شاہد کو سرتا پا دیکھا، پھر کہا آپ کس کے بیٹے ہیں؟‘‘ ’’جی، عبدل مجید کرانہ شاپ والے‘‘شاہد نے ادب سے جواب دیا۔

’’کیا آپ نے اپنے ابّو سے اس بات کی اجازت لی ہے۔؟‘‘

’’ڈاکٹر صاحب، کیا کسی نیک کام کے لیے اجازت لینا ضروری ہے!؟‘‘

’’جی بالکل نہیں، لیکن یہ پیسوں کا معاملہ ہے، اور آپ کے ابو کو اس کا علم ہونا چاہیے۔!‘‘

ڈاکٹر صاحب دراصل یہ پانچ سو روپے ہماری کرکٹ ٹیم کو انعام ملے ہیں اور ٹیم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنے دوست کی مدد کی جائے۔ڈاکٹر رضوان کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس آئے۔’’واہ بھئی واہ،۔ہم بہت خوش ہوئے آپ لوگوں کا اخلاص واخلاق دیکھ کر۔آپ ایسے بچّے ہی ملک اور قوم کے سنہرے خوابوں کی تعبیر ہوتے ہیں۔اللہ آپ کو کامیابی اور ترقّی عطا کرے۔یہ پانچ سو روپے آپ کا انعام ہے۔اسے اپنے پاس رکھیے۔‘‘

’’لیکن ڈاکٹر صاحب یہ ہمارے دوست سے بڑھ کر نہیں ہے۔‘‘

’’ارے ہاں بھئی، آپ فکر مت کیجیے۔میں آپ کے دوست کے والد سے کوئی بل Bill نہیں لونگا۔‘‘

’’سچ ڈاکٹر صاحب!؟‘‘

’’بالکل سچ، آپ لوگ آج سے مجھے بھی اپنا دوست سمجھیے، اور اپنے ہر نیک کام میں شریک کیا کریں‘‘

’’جزاک اللہ تعالیٰ، ڈاکٹر صاحب۔‘‘

’’آمین، ثمہ آمین‘‘

’’اچھا، اللہ حافظ۔!!‘‘

حامد نے کہا، ’’یہ تو کمال ہو گیا شاہد بھائی۔!‘‘

’’کمال تو ہوگا ہی، ’’ہم، جب ایک ہوجائیں‘‘

■

Saleem Khan Ismaeel Khan, Taha Nagar,
Faizpur - 425503, Distt. Jalgaon, (MS)

محمد نسیم قمر ندوی

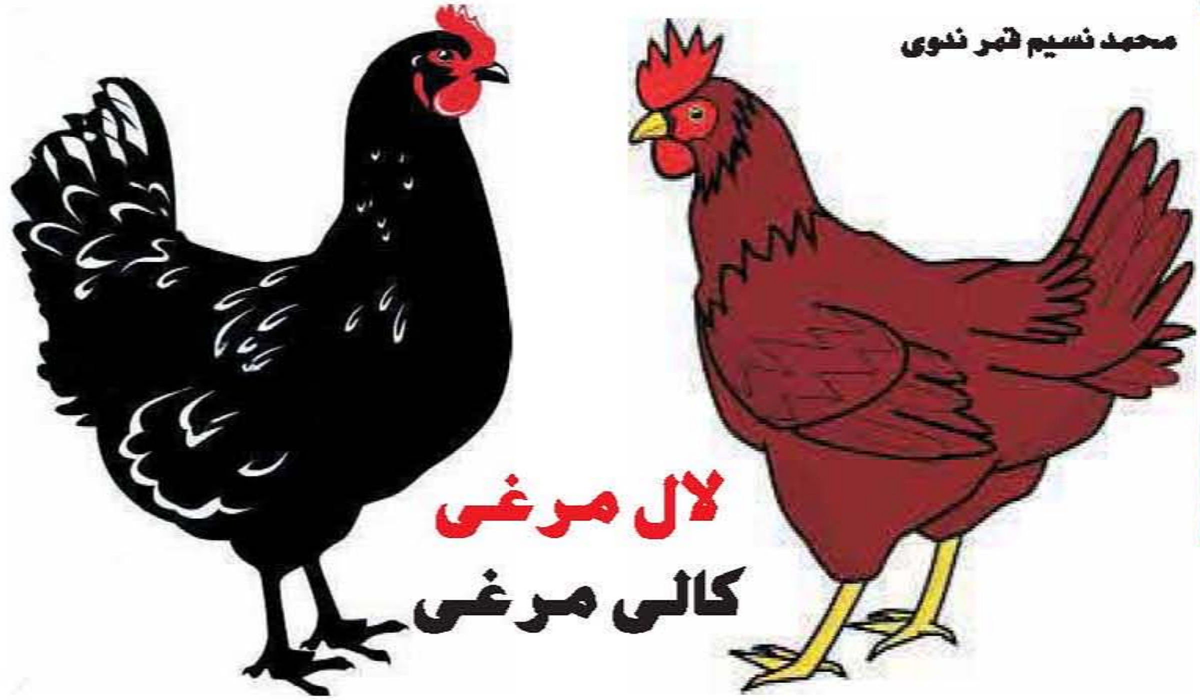

لال مرغی کالی مرغی

لال مرغی کو اپنی خوبصورتی پر بڑا گھمنڈ تھا اور واقعی میں وہ تھی بھی بہت خوبصورت۔ لال لال مخمل جیسے اس کے پنکھ تھے، سر کے اوپر سرخ رنگ کے موتیوں کا تاج، دونوں کان میں سفید سفید بُندے، چمک دار اور روشن مونگے جیسی آنکھیں، لمبی اور نوکیلی چم چم کرتی چونچ، صحت بھی اس کی قابل رشک تھی۔

لال مرغی کے برعکس کالی مرغی بالکل خوبصورت نہیں تھی، پر بھی اس کے کالے اور مٹیالے رنگ کے اُدھڑے اُدھڑے، سر پہ کلغی بھی چھوٹی سی مٹیالے رنگ کی، آنکھیں ایسی جیسے پپیتے کی بیج، چونچ بھی چھوٹی سی، پیر بھی بھدے اور کالے کالے، ہاں ایک بات یہ ضرور تھی کہ صحت کے اعتبار سے وہ لال مرغی سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

لال مرغی کو اپنی خوبصورتی پر بہت گھمنڈ تھا اس لیے وہ گھر کی دوسری مرغیوں کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی تھی، خاص کر کالی مرغی کو تو وہ اپنا حریف سمجھتی تھی۔

عائشہ جب بھی مرغیوں کو دانہ ڈالتی تمام مرغیاں اکٹھی ہو جاتیں اور مل جل کر دانہ کھاتیں، مگر لال مرغی کے آتے ہی تمام مرغیاں ڈر جاتیں، اور ادھر ادھر بھاگ جاتیں۔ کیونکہ لال مرغی آتے ہی سب کو اپنی تیز چونچ سے مارنے لگتی اور مار مار کے سب کو بھگا دیتی، لال مرغی نے کئی ایک کمزور مرغیوں کو زخمی بھی کر دیا تھا اور ان کے پر بھی نوچ ڈالے تھے۔ اس وجہ سے تمام مرغیاں اس سے ڈرتی تھیں اور نفرت کرتی تھیں۔ صرف کالی مرغی تھی جو لال مرغی سے بالکل نہیں ڈرتی تھی۔ جب تمام مرغیاں میدان چھوڑ کر بھاگ جاتیں تو اکیلے کالی مرغی، لال مرغی کے مقابلے میں میدان میں ڈٹی رہتی۔ اور گھمسان کا رن پڑتا، مقابلہ تقریباً دونوں میں برابر ہی کا رہتا۔

لال مرغی کی اس بری عادت کی وجہ سے عائشہ اس کو تمام مرغیوں سے الگ ایک کنارے دانہ دیتی تھی، اور گھر کی

دوسری مرغیوں کو ایک ساتھ گھر کے دوسرے کنارے میں۔ ایک بار جب لال مرغی کڑک ہوگئی یعنی انڈے دینا بند کر دیا، تو عائشہ نے اسے انڈوں پر بٹھا دیا۔ اکیس روز تک لال مرغی انڈوں پر بیٹھی رہی، بہت مشکل سے اٹھانے پر کبھی اٹھ کر دانہ پانی کھاتی ورنہ اکثر انڈوں کے پاس ہی اس کے لیے دانہ پانی کا انتظام کر دیا جاتا۔

اس دوران دوسری تمام مرغیاں آزادی سے گھومتی پھرتیں اور کھاتی پیتی تھیں۔ کالی مرغی طاقت میں تو لال مرغی سے کم نہیں تھی مگر عادت کے اعتبار سے وہ بہت نیک تھی۔ تمام مرغیوں کے ساتھ مل جل کر رہتی، اکثر ان کو اچھی اچھی باتیں بھی بتاتے رہتی تھی۔ ایک دن چتکبری مرغی نے لال مرغی کی غیبت کی اور اس کو کوستے ہوئے کہا: اللہ کرے وہ انڈوں پر سے کبھی نہ اٹھے، بڑی گھمنڈی اور مرکھنڈی مرغی ہے۔ کالی مرغی نے فوراً اس کو ٹوکا اور کہا: بہن کسی کی غیبت کرنا بری بات ہے، اس کے لیے دعا کرو، اور اس کی برائی کا بدلہ بھلائی سے دو، امید ہے اس کی بری عادتیں ٹھیک ہو جائیں گی۔

21 روز میں انڈوں سے چھوٹے چھوٹے روئی کے گالوں کی طرح بچے نکل آئے۔ کُل سات بچے تھے۔ لال مرغی اپنے بچوں کو لے کر دانہ پانی کے لیے باہر نکلتی اور جو کچھ ملتا کٹ کٹ کر کے اپنے بچوں کو کھلا دیتی۔ چیل کوّوں سے بچنے کے لیے ٹریننگ دیتی۔ جیسے ہی کسی خطرے کا احساس ہوتا لال مرغی اپنے منہ سے کررر کررر کی آواز نکالتی اور تمام بچے جو جہاں ہوتے وہیں جھاڑیوں اور کونے کھدروں میں چُھپ جاتے۔

دوسری مرغیاں بھی ان بچوں سے پیار کرتی تھیں مگر لال مرغی اپنے بچوں کے قریب کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ جہاں کوئی مرغی اس کے بچوں کے قریب سے گذرتی لال مرغی دوڑ کر اس کو نوچ لیتی۔ مرغیوں میں یہی چرچا تھا کہ لال مرغی پہلے سے زیادہ کٹا سن ہوگئی ہے۔

ایک دن کی بات ہے۔ لال مرغی کو بخار آگیا، اور وہ بیمار ہوگئی، بیماری نے طول پکڑا، کئی ڈاکٹر حکیم بدلے گئے مگر

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، لال مرغی بہت کمزور ہوگئی۔ ڈربے سے باہر نکلنا مشکل ہوگیا، اس لیے ڈربے ہی کے ایک کونے میں چپ چاپ پڑی رہتی۔ بچے کچھ بڑے ہوگئے تھے، اس لیے وہ خود ہی باہر نکل کر دانہ چگنے لگے تھے۔ ایک کتا جو کئی روز سے ان بچوں پر نظر گاڑے ہوئے تھا مگر لال مرغی کے ڈر سے قریب آنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، آج موقع پا کر اس نے ان بچون پر حملہ کرنے کا سوچا، اور جہاں یہ بچے دانہ چگ رہے تھے وہاں چپکے چپکے پہنچا، اور بس اب حملہ کرنے ہی والا تھا کہ کالی مرغی کی نظر پڑ گئی۔ کالی مرغی نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر کتے پر حملہ کر دیا۔ کتا بوکھلا گیا، پلٹ کر اس نے کالی مرغی پر حملہ کر دیا اور اس کو کافی زخمی کر دیا۔

کالی مرغی لہولہان ہوگئی مگر لال مرغی کے بچوں پر کوئی آنچ نہیں آنے دیا۔

لال مرغی کو جب اس کے بچوں نے یہ بات بتائی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے کالی مرغی کو گلے سے لگا لیا پھر روتے ہوئے کہا: بہن مجھے معاف کر دو، میری آنکھوں پر غرور کا چشمہ لگا تھا، آج تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔

دور سے ایک مرغا یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے زور سے اپنے پر پھڑپھڑائے اور گردن اونچی کر کے کہا: ککڑوکوں، ککڑوکوں

سچ ہے غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔

■

Mohd Naseem Qamar Nadvi
Madarsa Khadeejatul-Kubra Lil-Banat,
Reelpar, Asansol - 713302

جوابات

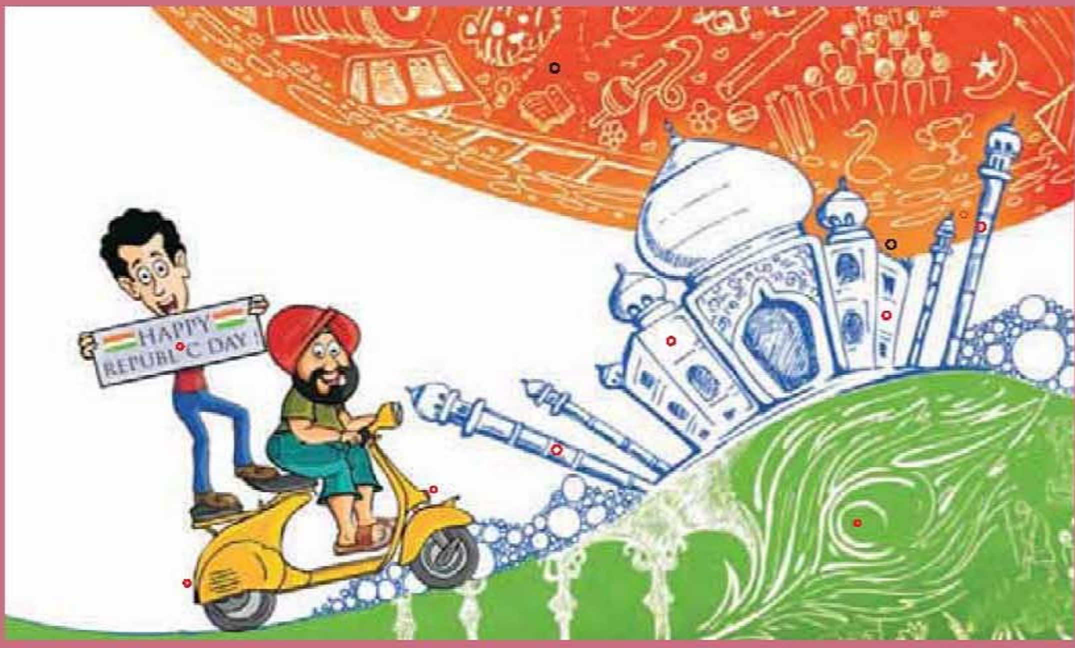

سید پرویز قیصر

ٹوئنٹی ٹوئنٹی کرکٹ میں سب سے تیز ایک ہزار رن

ٹوئنٹی ٹوئنٹی کرکٹ کی شروعات 17 فروری 2005 کو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے درمیان آکلینڈ میں کھیلے گئے میچ سے ہوئی تھی۔ ابھی تک 457 ٹوئنٹی ٹوئنٹی میچ کھیلے گئے ہیں ان میں 20 کھلاڑیوں نے 1000 سے زیادہ رن بنائے ہیں۔

وراٹ کوہلی ایسا کرنے والے ہندوستان کے پہلے بلّے باز ہیں۔ جنوبی افریقہ کے خلاف 2 اکتوبر 2015 کو دھرم شالہ میں کھیلے گئے پہلے ٹوئنٹی ٹوئنٹی بین الاقوامی میچ میں اپنی 43 رن کی اننگ کے دوران یہ کارنامہ انجام دیا۔

اپنے 29 ویں ٹوئنٹی ٹوئنٹی بین الاقوامی میچ کی 27 ویں اننگ کے دوران 1000 رن مکمل کر کے وراٹ کوہلی نے سب سے کم اننگز میں ایسا کیا۔ اس سے قبل ٹوئنٹی ٹوئنٹی بین الاقوامی میچوں میں سب سے کم اننگز میں 1000 رن بنانے کا ریکارڈ انگلینڈ کے کیون پیٹرسن اور ایلکس ہیلس کے پاس تھا۔ ان دونوں بلے بازوں نے 32 ویں میچ کی 32 ویں اننگ کے دوران ایسا کیا تھا۔

کیون پیٹرسن نے ہندوستان کے خلاف 31 اگست 2011 کو اپنی 33 رن کی اننگ کے دوران ایسا کیا تھا۔ مانچسٹر میں کھیلے گئے اس میچ میں انھوں نے 23 بالوں پر پانچ چوکوں کی مدد سے یہ رن بنائے تھے۔

کیون پیٹرسن نے کل ملا کر 37 ٹوئنٹی ٹوئنٹی بین

الاقوامی میچ کھیلے جن کی 36 اننگز میں 37.93 کی اوسط اور 141.57 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ سات نصف سنچریوں کی مدد سے 1176 رن بنائے ہیں۔

الیکس ہیلس نے سری لنکا کے خلاف اوول میں 20 مئی 2014 کو کھیلے گئے ٹونٹی ٹونٹی بین الاقوامی میچ میں اپنی 66 رن کی اننگ کے دوران اپنے ایک ہزار رن مکمل کیے تھے۔

دائیں ہاتھ سے بلے بازی کرنے والے الیکس ہیلس نے ابھی تک جو 35 ٹونٹی ٹونٹی بین الاقوامی میچ کھیلے ان کی 35 اننگوں میں 36.40 کی اوسط اور 137.01 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ ایک سنچری اور سات نصف سنچریوں کی مدد سے 1092 رن بنائے ہیں۔

ہندوستان کے خلاف مانچسٹر میں 31 اگست 2011 کو اپنا پہلا ایک روزہ بین الاقوامی میچ کھیلنے والے الیکس ہیلس نے 1000 رن بنانے میں 993 دن کا وقت لیا جو وقت کے لحاظ سے سب سے تیز 1000 رن بنانے کا ریکارڈ ہے۔

سب سے زیادہ وقت میں 1000 رن بنانے کا ریکارڈ پاکستان کے شاہد آفریدی کے پاس ہے۔ انگلینڈ کے خلاف 28 اگست 2006 کو اپنا پہلا ٹونٹی ٹونٹی بین الاقوامی میچ برسٹل میں کھیلنے والے شاہد آفریدی نے 2663 دن بعد سری لنکا کے خلاف 11 دسمبر 2013 کو دبئی میں اپنی 39 رن کی اننگ کے دوران ایسا کیا تھا۔

شاہد آفریدی نے ایسا کرنے میں 69 ٹونٹی ٹونٹی بین الاقوامی میچوں کی 64 اننگز میں بلے بازی کی۔ اننگز کے لحاظ سے ٹونٹی ٹونٹی بین الاقوامی کرکٹ میں یہ سب سے سست 1000 رن بھی تھے۔

ٹونٹی ٹونٹی کرکٹ میں سب سے زیادہ رن بنانے والے

ٹونٹی ٹونٹی کرکٹ میں اننگز کے حساب سے سب سے تیز 1000 رن

بلے باز	میچ	اننگ	ناٹ آؤٹ	رن	اوسط	ہائی اسکور	اسٹرائیک ریٹ	سنچری	نصف سنچری	صفر
وراٹ کوہلی (ہندوستان)	29	27	5	1015	46.13	78*	132.67	–	9	–
کیون پیٹرسن (انگلینڈ)	32	32	4	1011	36.10	79	143.20	–	5	1
ایلکس ہلیس (انگلینڈ)	32	32	5	1022	37.85	116*	137.73	1	7	3
کرس گیل (ویسٹ انڈیز)	35	34	3	1017	32.80	117	142.03	1	10	2
برینڈن میکولم (نیوزی لینڈ)	35	35	7	1009	36.03	116*	130.86	1	6	1
شین واٹسن (آسٹریلیا)	37	36	3	1017	30.81	81	150.44	–	10	3
مارٹن گپٹل (نیوزی لینڈ)	38	36	1	1018	33.93	101*	123.99	1	4	2
ہیملٹن مساکادزا (زمبابوے)	38	38	6	1002	27.08	79	113.73	–	7	–
کمار سنگاکارا (سری لنکا)	39	38	5	1027	31.12	78	121.68	–	6	1
تلک رتنے دلشان (سری لنکا)	41	40	10	1032	30.35	104*	126.31	1	6	5

نیوزی لینڈ کے برینڈن میکولم 1000 رن مکمل کرنے والے بلے باز تھے۔ دائیں ہاتھ سے بلے بازی کرنے والے برینڈن میکولم نے زمبابوے کے خلاف 4 مئی 2010 کو پروڈینس میں ناٹ آؤٹ 22 رن کی اننگ کے دوران ایسا کیا تھا۔

اپنی دھواں دھار بلے بازی کے لیے مشہور برینڈن میکولم نے ابھی تک جو 71 ٹونٹی ٹونٹی بین الاقوامی میچ کھیلے ہیں ان کی 70 اننگز میں دو سنچریوں اور 13 نصف سنچریوں کی مدد سے 35.66 کی اوسط اور 136.21 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ 2140 رن بنائے ہیں۔ وہ ٹونٹی ٹونٹی بین الاقوامی کرکٹ میں 2000 سے زیادہ رن بنانے والے واحد بلے باز ہیں۔

ابھی تک جن 20 بلّے بازوں نے ٹونٹی ٹونٹی کرکٹ میں 1000 سے زیادہ رن بنائے ہیں اس میں سب سے زیادہ اوسط وراٹ کوہلی کی ہے۔ وراٹ کوہلی نے 44.17 کی اوسط کے ساتھ اس طرز کی کرکٹ میں 1000 سے زیادہ رن بنائے ہیں۔ جنوبی افریقہ کے جین پال ڈومنی 38.20 کی اوسط کے ساتھ دوسرے اور انگلینڈ کے کیون پیٹرسن 37.93 کی اوسط کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہیں۔

پاکستان کے شاہد آفریدی ٹونٹی ٹونٹی بین الاقوامی کرکٹ

میں 1000 سے زیادہ رن بنانے والے بلے بازوں میں سب سے اچھے اسٹرائیک ریٹ کے حامل ہیں۔ انھوں نے 84 میچوں کی 78 اننگوں میں 147.22 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ 1222 رن بنائے ہیں۔ آسٹریلیا کے شین واٹسن 144.05 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ دوسرے نمبر پر ہیں جبکہ ویسٹ انڈیز کے کرس گیل 142.59 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہیں۔ سب سے خراب اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ 1000 رن پاکستان کے شعیب ملک نے بنائے ہیں۔ انھوں نے 65 میچوں کی 61 اننگز میں 1077 رن 107.48 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ بنائے ہیں۔

شاہد آفریدی کا اسٹرائیک ریٹ سب سے اچھا ہے مگر اوسط کے معاملے میں وہ سب سے پیچھے ہیں۔ انھوں نے 84 میچوں کی 78 اننگوں میں 1222 رن 18.51 کی اوسط کے ساتھ بنائے ہیں۔

ہندوستان کے وراٹ کوہلی اور زمبابوے کے ہیملٹن مسا کادزا ایسے دو بلے باز ہیں جو نہ ٹوئنٹی ٹوئنٹی بین الاقوامی کرکٹ میں 1000 سے زیادہ رن بنانے والوں میں شامل ہیں مگر یہ دونوں بلے باز ابھی تک اس طرز کی کرکٹ میں صفر کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔

سری لنکا کے تلک رتنے دلشان ایسے بلے باز ہیں جنھوں نے سب سے زیادہ صفر کے ساتھ 1000 سے زیادہ رن بنائے ہیں۔ دائیں ہاتھ سے بلے بازی کرنے والے تلک رتنے دلشان نے جن 64 ٹوئنٹی ٹوئنٹی بین الاقوامی میچوں کی 63 اننگز میں 27.96 کی اوسط اور 119.61 کے اسٹرائیک ریٹ کے ساتھ ایک سنچری اور 9 نصف سنچریوں کی مدد سے جو 1482 رن بنائے ہیں اس میں آٹھ صفر بھی شامل ہیں۔

■

Syed Pervez Qaiser
1407 Qasim Jan Street, Ballimaran, Delhi - 6

مترجم: انیس الدین ملک

پادری، سوڈا واٹر اور چوھے

جوزف پریسٹلے جو عموماً انگریزی کیمیا کے باپ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اتفاقاً سائنس کے مطالعہ میں دلچسپی لینے لگا۔ وہ پارک شائر کے ایک کپڑے کے تاجر کا لڑکا تھا اور اسے غیر مقلد کلیسائی کی تعلیم دی گئی۔ اس طرح اسکول میں اس کی ابتدائی تعلیم کچھ اس طرح ہوئی جسے آج کلاسیکی تعلیم کہتے ہیں اور اس نے بہت تھوڑی سائنس پڑھی۔ 1767 میں وہ مل لین، لیڈس کے ایک چیپل میں پادری مقرر ہوا اور ایک شراب کی بھٹی کے بغل میں رہا کرتا تھا۔

جیسا کہ بعد کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے، بیئر کو بڑے برتنوں میں جسے واٹس کہتے ہیں جو بھاپ اور خمیر ڈالنے سے بناتے ہیں۔ خمیر کی وجہ سے سے رقیق تخمیر ہوجاتا ہے یعنی اس میں جھاگ آنے لگتے ہیں جیسے یہ ابل رہا ہو۔ درحقیقت جھاگ اس میں صرف اس لیے نظر آتے ہیں کہ اس میں سے کاربن ڈائی آکسائڈ گیس نکل رہی ہوتی ہے چونکہ یہ گیس ہوا سے بھاری ہوتی ہے اس لیے برتن میں رقیق کے اوپر ایک تہ کی شکل میں جمع ہوجاتی ہے۔

اس کے بعد کیا ہوا، اس کا حال پریسٹلے کی ہی زبان میں سنئے۔ صرف اس کے دیئے ہوئے کیمیاوی الفاظ کے بجائے نئے کیمیاوی نام لکھ دیے گئے ہیں۔

پریسٹلے لکھتا ہے ”عوامی شراب کی بھٹی کی ہمسائیگی میں رہنے کی وجہ سے 1767ء کی گرمی کے دوران اسے کاربن ڈائی آکسائڈ گیس پر کچھ تجربات کا شوق چرایا۔ وہ اکثر بھٹی

کو دیکھنے جایا کرتا تھا۔ اسے یہ علم ہوا کہ تجربی رقیق کی سطح پر 9 انچ سے ایک فٹ تک خالی گلاس میں پہلے کی طرح ڈال سکے۔ یہ عمل اس نے کئی بار دوہرایا۔ جیسا کہ اس نے لکھا ہے، دو تین منٹ میں اس نے ایک بہت ہی خوشگوار جھاگ دینے والے پانی کا گلاس تیار کرلیا۔ اس پانی میں اور عمدہ پیرمونٹ میں فرق کرنا مشکل تھا۔ وہ آگے لکھتا ہے۔

میں اس وقت تک پیرمونٹ کا پانی مذکورہ بالا طریقے سے بناتا رہا جب تک میں نے وہ جگہ چھوڑ نہ دی۔ یہ 1768 کی گرمیوں کا زمانہ تھا۔ جب میں اس مکان سے چلا آیا تو مجھے خود کاربن ڈائی آکسائڈ گیس بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ یکے بعد دیگرے رفتہ رفتہ کئی تجربات کے بعد میں نے ایک ہی سستا اور آسان سا آلہ تیار کرلیا۔

جواشیا اپنے استعمال کیں وہ کھلی اور تیزاب تھیں اور اس نے گیس کو پانی سے گزار کر خالص کیا۔ 1772 میں وہ ایک بار پھر اپنے نئے گھر میں مونٹ پانی بنا رہا تھا اس کے تیار کرنے کے نسخے میں کاربن ڈائی آکسائڈ گھلے پانی میں ٹنکچر کے تھوڑے سے قطرے ہوتے تھے۔ ٹنکچر لوہے کا ایک تیز حل، تھوڑا سا نمک، تھوڑا سا Oil of Tratar اور تیزاب کے چند قطرے کا مخلوط ہوتا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اس طرح تیار شدہ پانی میں وہی عجیب خاصیتیں ہیں جو پرمونٹ یا

دوسرے معدنی پانی میں ہوسکتی ہیں اور اس کا وہی تیز یا تیزابی ذائقہ ہے۔

پریسٹلے نے اپنے نسخے کو چھپوایا اور یہ دعویٰ کیا حالانکہ اس کی مشروب پر مونٹ کے پانی کی مانند عمدہ ہے لیکن اس کی قیمت ایک پینی بھی مشکل سے ہوگی جبکہ پرمونٹ کا پانی پانی شلنگ میں ملے گا۔ بعد میں کاربن ڈائی آکسائڈ کو سوڈے (سوڈیم کوربونیٹ) پر تیزاب کے عمل سے بنایا گیا اور کاربن ڈائی آکسائڈ گھلے ہوئے پانی کو سوڈا واٹر کہا گیا۔

سوڈا واٹر ایک ہر دلعزیز مشروب بن گئی اور ایک بار اسے اسقربوط کے علاج کے لیے بھی استعمال کیا گیا جو جہاز رانوں کی ایک عام اور خوفناک بیماری تھی جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ مرجاتے تھے۔ یہ معلوم تھا کہ تازہ سبزی کھانے سے اس بیماری کی روک تھام ہوسکتی ہے لیکن وجہ کے بارے میں اس وقت یہ غلط فہمی تھی۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جہاز میں محفوظ کھانے کے سامان کو کھانے سے نسبتاً کم کاربن ڈائی آکسائڈ موٹی کاربن ڈائی آکسائڈ کی تہہ ہوتی تھی اور اس گیس کی مسلسل اور تازہ فراہمی رہتی تھی۔ جب پریسٹلے نے جلتی ہوئی لکڑی کا ٹکڑا یا جلتی ہوئی موم بتی گیس کی موٹی تہ میں رکھی تو لو فوراً بجھ گئی۔

اس زمانے میں ڈاکٹر اکثر معدنی چشمے کا پانی جو کہ جرمنی

میں پرمونٹ کے مقام پر ملتا تھا اور ایک قدرتی فوارہ سے بلبلے کی شکل میں نکلتا تھا، تجویز کیا کرتے تھے۔ اس کا اثر سب سے تیز نشاط افزا شمپین کی مانند تھا۔ بہت خوش ذائقہ اور اس میں گندھک کی ہلکی سی بو، محلول کی شکل میں لوہا اور کاربن ڈائی آکسائڈ ہوتی تھی جو اس میں جھاگ پیدا کرتی تھی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے پیرمونٹ کا پانی بوتلوں میں بھر کر برآمد کیا جاتا تھا اور انگلستان میں یہ خاص قیمت پر فروخت ہوتا تھا۔

ایک دن پیرمونٹ کے خوشگوار لیکن قیمتی پانی کو ذہن میں رکھتے ہوئے پریسٹلے نے پانی میں کاربن ڈائی آکسائڈ گھولنے کی ایک ترکیب سوچی۔ اس کا طریقہ بہت سہل تھا۔ اس نے پانی پینے کے دو گلاس لیے۔ ایک پانی سے بھرا تھا اور دوسرا خالی تھا۔ اس نے خالی گلاس کو رقیق کی سطح کے جتنے قریب رکھ سکتا تھا، رکھا اور بھرے ہوئے گلاس کو رقیق سے تقریباً ایک فٹ اوپر رکھا۔ اب بھرے ہوئے گلاس سے پانی خالی گلاس میں ڈالا جو گیس کی تہ سے ہوتا ہوا گزرا اور نیچے جاتے ہوئے کچھ گیس کھول لی۔ اب اس نے گلاس کی جگہ بدل دی تاکہ اب وہ کاربن ڈائی آکسائڈ گھلا ہوا پانی بنتی ہے مقابلتاً اس کاربن ڈائی آکسائڈ کے جو تازے کھانے سے بنتی ہے۔ اس لیے ایک ممکن علاج جہازرانوں کو کاربن ڈائی آکسائڈ دینا تھا تاکہ کمی پوری کی جاسکے۔ یہ علاج اس زمانے کے بہت سے ڈاکٹروں کی رائے میں مفید تھا۔ اس لیے جہازوں کی انتظامیہ نے اپنے دو جنگی جہازوں پر

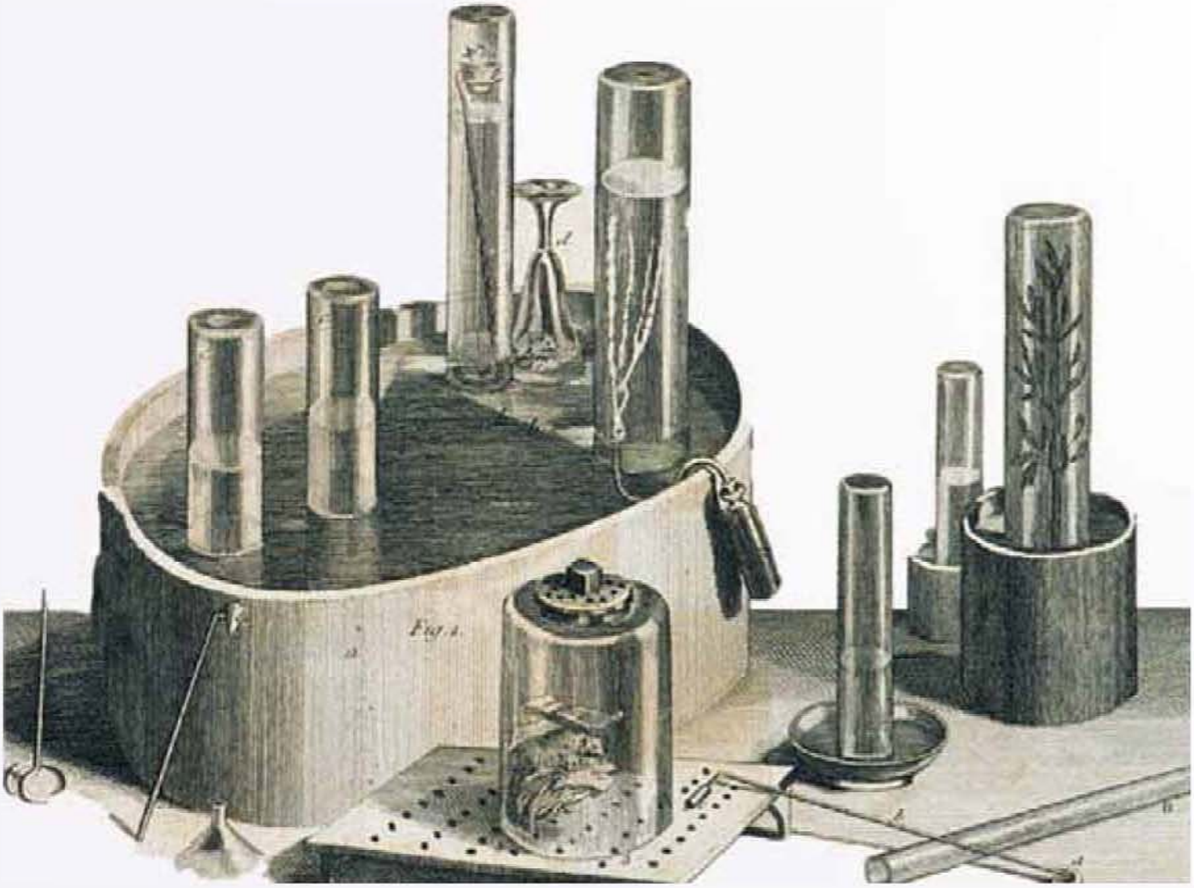

پریسٹلے کے آلوں کو جو جھاگ وار پانی بناتے تھے، لگایا۔ لیکن یہ علاج کامیاب ثابت نہیں ہوسکا۔

اس سلسلے میں ایک دوسری کامیابی حاصل ہوئی۔ صدی کے خاتمے سے کچھ قبل سوڈا واٹر کے ذائقے میں پھلوں کی مہک پیدا کر کے اصلاح کی گئی۔ اس سے کافی قبل اس ملک میں ہوا گھلا ہوا سادہ پانی اور امریکہ میں نہایت عمدہ خوشبودار پانی کافی بڑی مقدار میں بننا شروع ہوگیا تھا۔

بس اس ملک میں ہوا گھلے پانی کی صنعت اور امریکہ میں ہلکی مشروبات کی صنعت کی بنا ایک حقیقت ہے کہ ایک غیر مقلد پادری لیڈس میں ایک شراب کی بھٹی کے قریب رہا کرتا تھا۔

لیڈس میں قیام کے دوران پریسٹلے کو ایک آتشی شیشہ جس کا قطر 12 انچ اور غوطل لمبائی بیس انچ تھی، پیش کیا گیا۔ اگر ایسے شیشے کو سورج کی شعاعوں کے سامنے رکھا جائے تو وہ انھیں مرکوز کردے گا اور گرمی کے دنوں میں شدت کی حرارت پیدا ہوگی۔ پریسٹلے نے سورج کی شعاعوں کو مرکوز کر کے تجربہ میں موجود مختلف اشیا پر اس کا اثر دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح کے عمل سے اس نے اگست 1774 میں ایک قابلِ ذکر دریافت کی۔

اس دن اس نے سورج کی شعاعیں پارے کے لال آکسائڈ پر مرکوز کیں اور ایک گیس حاصل کی جواب تک نامعلوم تھی۔ اس نے اس گیس کا معائنہ کیا۔ (جو بعد میں آکسیجن کے نام سے جانی گئی۔) اس نے ایک جلتی ہوئی موم بتی کو گیس سے بھرے برتن میں ڈالا۔

اس نے یہ واقعہ یوں بیان کیا:

"جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متحیر کیا، وہ یہ تھی کہ موم بتی گیس میں غیر معمولی تیزی کے ساتھ جلی، لو کی پائیداری اور شدت دیکھنے کے قابل تھی اور اسے پیدا ہوئی حرارت بھی غیر معمولی حد تک شدید تھی۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ اس تجربے کے پیچھے ہمارا کیا مقصد تھا لیکن مجھے معلوم ہے کہ میں ایسی امید نہیں کر رہا تھا۔ اگر میں نے موم بتی کسی اور مقصد کے لیے جلائی نہیں ہوتی تو شاید میں اس قسم کا تجربہ کبھی نہیں کرتا اور اس طرح میرے مستقبل کے آکسیجن کے سلسلہ میں کیے ہوئے تجربات کبھی نہیں ہوتے۔"

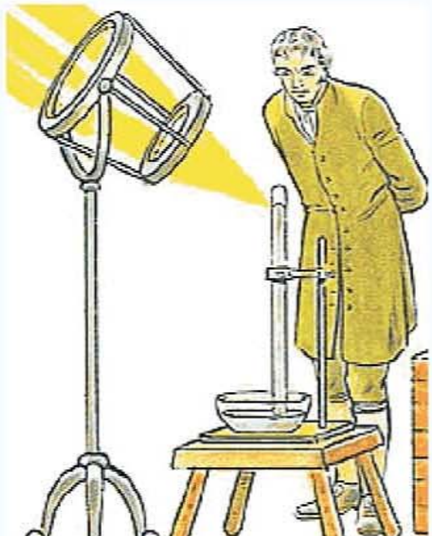

پریسٹلے نے اب یہ تجربات یہ دیکھنے کے لیے کیے کہ آیا اس گیس میں مخلوق زندہ رہ سکتی ہے یا نہیں۔ ان تجربات کے لیے جو جانور چنے گئے وہ چوہے تھے جس کے متعلق اس نے لکھا:

" ان تجربات کے لیے سب سے آسان طریقہ چھوٹے سے تار کے چوہے دان کو استعمال کرنا ہے کیونکہ اس میں سے ان کو ہر روز پکڑ کر آسانی سے نکالا جاسکتا ہے۔ ان کو پانی سے گزارتے ہوئے اس برتن میں رکھا جاسکتا ہے جس میں گیس بھری ہوئی ہے۔ اگر مجھے امید ہو کہ چوہا کافی دیر تک زندہ رہے گا تو میں برتن کے اندر کوئی چیز رکھوں گا جس پر یہ بیٹھ کر پانی سے محفوظ

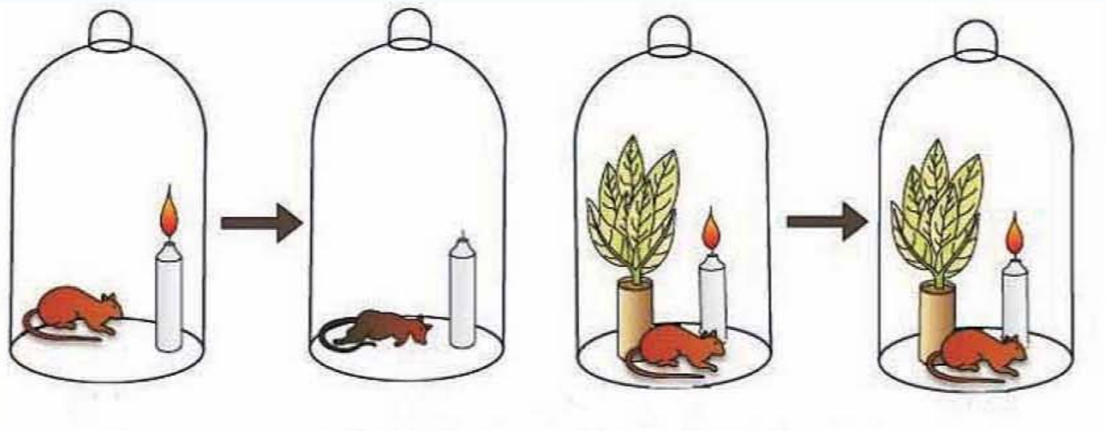

رہے۔ اگر گیس اس کے لیے مفید ہے تو چوہا اس کے اندر آرام سے رہے گا اور اسے پانی سے گزارنے پر کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ اگر گیس نقصان دہ ہے تو یہ مناسب ہے کہ ان کی دم پکڑ کر رکھی جاسکے تاکہ جیسے ہی ان پر تکلیف کے آثار نمایاں ہوں ان کو نکال لیا جائے۔ چوہوں کو ایک خاص مناسب درجہ حرارت پر رکھنا چاہیے ورنہ زیادہ گرمی یا زیادہ ٹھنڈک سے مرجائیں گے۔ ان کے لیے میں نے جو جگہ مقرر کی ہے وہ باورچی خانہ کا آتش دان کا اوپری طاق ہے کیونکہ یورک شائر میں عام طور سے آتش دان کی آگ نہیں بجھتی۔

''مارچ 1775 کو میں نے ایک چوہا حاصل کیا اور اس کو شیشے کے برتن میں جس میں آکسیجن بھری تھی رکھا۔ اگر یہ عام ہوا ہوتی تو پوری جسامت کا چوہا تقریباً چوتھائی گھنٹہ زندہ رہتا۔ لیکن میرا چوہا پورے آدھے گھنٹے تک زندہ رہا۔ حالانکہ یہ ظاہری طور پر مردہ نکلا لیکن حقیقتاً یہ بہت ٹھنڈا تھا کیونکہ آگ کے قریب رکھنے پر یہ پھر زندہ ہوگیا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تجربے نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے میں نے ایک اور چوہے کا انتظام کیا۔

یہ تین چوتھائی گھنٹے تک زندہ رہا۔ لیکن میں نے برتن کو کسی گرم جگہ پر رکھنے کی احتیاط نہیں برتی اس لیے مجھے شبہ تھا کہ چوہا ٹھنڈک سے مرگیا۔ لیکن کیونکہ عام ہوا کے مقابلے میں یہ تین گنا زیادہ زندہ رہا۔ اس لیے مجھے اس کی جانچ میں اور زیادہ اصلاح نظر نہیں آئی اس لیے میرے خیال میں چوہوں پر اور تجربات کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''میرے قارئین اس پر تعجب کریں گے کہ چوہے پر آکسیجن کی عمدہ کارکردگی کے بعد اس کا ذائقہ چکھنے کی خواہش مجھ میں پیدا کیوں نہیں ہوئی۔ میں نے اس تجسس کو ایک شیشے کے سائفن کے ذریعے آکسیجن کو سانس میں لے کر تسکین دیا۔ میرے پھیپھڑوں پر اس کا اثر معمولی ہوا کہ اثر سے مختلف نہیں تھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ کچھ دیر بعد میرے سینے میں غیر معمولی ہلکا پن اور آرام تھا۔ اس وقت کے بارے میں کون کہہ سکتا ہے جب خالص ہوا، عیش وعشرت کی شے ہوجائے۔ اب تک میں اور دو چوہے اس کو سانس میں لے کر مستفید ہوئے ہیں۔''

بعد میں پریسٹلے نے دکھلایا کہ آکسیجن میں عام ہوا کی بہ نسبت اشیاء زیادہ تیزی سے جلتی ہیں اور لکھا:

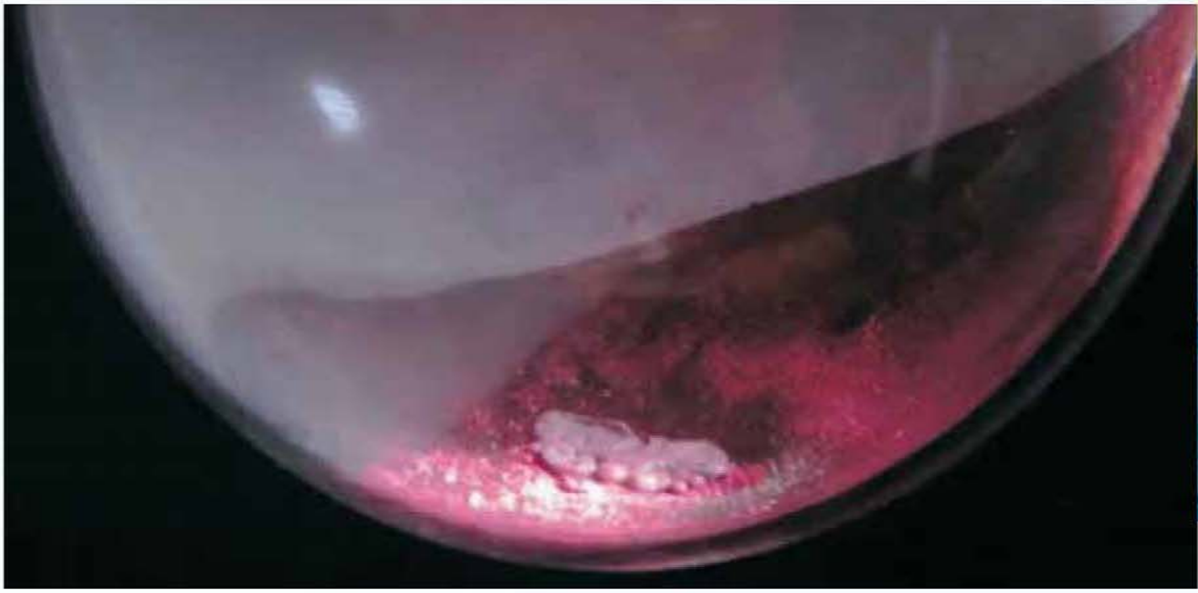

”اگرچہ خالص آکسیجن دوا کے طور پر مفید ثابت ہوسکتی ہے لیکن اسے عام حالات میں ایک تندرست جسم پر استعمال کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ جس طرح ایک موم بتی ہوا کے مقابلہ میں اس میں زیادہ تیزی سے جلتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تیزی سے اپنی زندگی ختم کررہی ہے۔ اسی طرح حیوانی طاقتیں اس قسم کی خالص ہوا میں تیزی سے ختم ہوسکتی ہیں۔ کم از کم ایک معلمِ اخلاق یہ کہہ سکتا ہے کہ قدرت نے ہمیں جو ہوا بخشی ہے وہ اتنی اچھی ہے جتنے ہم اہل ہیں۔“

ان تجربات کو بیان کرنے سے قبل پریسٹلے نے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے جس میں آج کل ہم لفظ فلاسفیکل کی جگہ سائنٹفک استعمال کریں گے۔

”اس باب کے مضامین میں ایک بہت ہی موثر تصویر پیش کریں گے اس فقرے کی سچائی کے سلسلے میں جنھیں میں ایک بار سے زیادہ اپنی فلسفیانہ تحریروں میں بیان کرچکا ہوں اور جو مشکل سے کئی بار دہرائی جاتی ہے اور یہ فلسفیانہ تحقیقات کی ہمت افزائی کرتی ہے جسے ہم اتفاق کہتے ہیں۔ فلسفیانہ انداز میں یہ ان تحقیقات کے نامعلوم وجہوں سے پیدا شدہ مشاہدات ہیں جو بغیر کسی خاص ڈیزائن اور سوچے سمجھے خیال کے حاصل ہوتے ہیں۔“

1780 میں پریسٹلے برمنگھم آگیا اور وہاں اس زمانے میں رہائش پذیر تھا جب فرانس میں انقلاب برپا ہوا۔ اس کی ہمدردیاں انقلابیوں کے ساتھ تھیں جبکہ زیادہ تر انگریز ان سے نفرت کرتے تھے۔ اپنے خیالات کی وجہ سے پریسٹلے غیر مقبول ہوگیا۔ 1791 میں ایک مجمع نے اس کے مکان کو جلادیا۔ اس کے سارے سامان، سندیں، آلات اور کاغذات کو تباہ کردیا اور وہ خود بھی بال بال بچا۔ اس واقع کے بعد اس کے پرانے دوستوں اور جان پہچان والوں نے اس سے کترانا شروع کردیا۔ اس لیے اس نے نئی جمہوریہ شمالی امریکہ میں بس جانے کا فیصلہ کیا جہاں اس زمانے میں انگلینڈ کے مقابلے میں خیالات اور تقریر کی زیادہ آزادی تھی۔ وہاں وہ آخری وقت تک رہا اور 1804 میں انتقال کیا۔

(قومی اردو کونسل کی شائع کردہ کتاب 'سائنس کی کہانیاں' سے ماخوذ)

آٹھویں قسط

اُلٹا درَخَت

کرشن چندر

اب تک آپ نے پڑھا کہ ایک موچی کا تھوڑا سا بے وقوف مگر منھ پھٹ اور بے روزگار بیٹا یوسف اپنی ماں کے کہنے پر بادشاہ کے پاس کام مانگنے گیا تو جھکّی اور ظالم بادشاہ نے اس کے خوب صورت باغیچے پر ہی قبضہ کرلیا۔ وہاں ایک نک چڑھی شہزادی ملی۔ اس نے یوسف کی ماں کا کنواں چھین لیا۔ اب غریب یوسف کے پاس ماں کے علاوہ ایک جھونپڑی اور ایک گائے رہ گئی۔ ماں نے کہا گائے بیچ دو ورنہ بھوکے مر جائیں گے۔ بازار میں ایک شخص نے اسے صرف تین بیج دے کر گائے لے لی اور کہا یہ بیج ایک ساتھ بوئے گا تو ایک ایسا درخت اگے گا جس کی اونچائی آسمان تک ہوگی۔ ان میں سے

دو بیج ضائع ہو گئے۔ یوسف بڑا پریشان ہوا اور اس نے بچا ہوا بیج باغیچے کی زمین میں دبا دیا۔ رات کو خوب بارش ہوئی اور صبح اٹھا تو اس نے دیکھا کہ بیج والی زمین میں ایک عجیب درخت اگا تھا جس کی جڑیں زمین پر تھیں اور تنا اور شاخیں زمین کے اندر اتر رہی تھیں۔ ماں کے منع کرنے پر بھی یوسف اس درخت پر نیچے کی طرف چڑھنے لگا۔ کافی نیچے اترنے پر وہ آوازوں کے ایک شہر میں پہنچ گیا۔ ایک سرگوشی جیسی آواز نے اسے شہر کی کہانی سنائی اور بتایا کہ یہاں تمام آوازوں کو آسمان جتنے اونچے گنبد میں قید کر لیا گیا ہے۔ مگر ان قیدی آوازوں نے وہاں سے بادشاہ کے محل تک ایک سرنگ بنائی اور اس میں فتیلہ بن کر گھس گئیں۔ یوسف کا کام تھا اس فتیلے کو آگ لگانا۔ اس نے فتیلے کو آگ دکھائی اور تیزی سے الٹے درخت پر جا پہنچا۔ کچھ ہی دیر میں آوازوں کا شہر تباہ ہو گیا اور یوسف درخت پر نیچے چڑھنے لگا۔ تین دن تین رات چڑھنے کے بعد اندھیرے میں کسی نے اسے درخت سے اتار لیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے اپنی مٹھی میں دبائے ہوئے ہوا میں اڑ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس ہاتھ نے اسے ایک بہت بلند اور بڑے دروازے پر اتار دیا۔ یہ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ ایک دیو بھی اس کے نیچے سے آسانی سے نکل سکتا تھا۔ یوسف تو خیر آدمی تھا۔ بڑی آسانی سے اندر چلا گیا۔ دروازے کی محراب پر لکھا تھا: کالے دیو کا شہر۔ یوسف درخت پر چڑھتا یا یوں سمجھو کہ زمین کے اندر اترتا چلا گیا جہاں ہر منزل پر اسے ایک نئی دنیا ملی...

ایک سنہرے بستر پر ایک لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے بال شہری رخسار سنہری، ہونٹوں کی چمک سنہری، سرتاپا سونے کی مورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ چپ چاپ سوئی پڑی تھی۔

شہزادی نے اسے جگانا چاہا۔ مگر جب جھنجھوڑنے کے لیے ہاتھ لگایا تو اسے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ لڑکی ساری کی ساری سونے کی تھی۔ اس لڑکی کے بستر کے قریب ہی ایک آرام کرسی پڑی تھی۔ اس پر ایک بڈھا آدمی لیٹا تھا۔ شہزادی نے چلا کر کہا۔ ''باپو''

مگر نہیں، یہ اس کا باپ نہیں تھا گو پہلے پہل اسے اپنا باپ معلوم ہوا۔

شہزادی نے ایک قدم آگے بڑھایا تو اسے یہ بڈھا جوہری معلوم ہوا۔

''جوہری ہے؟'' شہزادی چلائی اور پیچھے ہٹی، کیونکہ اب اسے اس بڈھے کے چہرے میں اپنا نیلام کرنے والے ظالم آدمی کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔

ظالم! ظالم شہزادی ڈر کے مارے پیچھے ہٹ کے چیخی۔

''گھبراؤ نہیں۔'' کسی نے قریب سے ہنس کر کہا۔ ''یہ آدمی تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ تو سارے کا سارا سونے کا بنا ہوا ہے۔''

شہزادی نے پلٹ کے ادھر ادھر دیکھا۔ مگر اسے کہیں پر کوئی آدمی نظر نہ آیا۔

شہزادی نے چلا کے کہا ''تم کون ہو؟ کہاں چھپے کھڑے ہو؟ سامنے آکے بات کرو۔''

''میں یہاں تمھارے سامنے تو بیٹھا ہوں۔''

''کہاں؟'' شہزادی نے فوراً پوچھا۔

''یہاں۔ تمھارے سامنے۔'' آواز آئی۔

مگر شہزادی کے سامنے تو کچھ بھی نہیں تھا۔ بس اس کے قریب ہی ایک طلائی تپائی پر ایک ایک ستار رکھا تھا۔ جس

تار خود بخود
ہلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

''کیا تم بولتے ہو؟'' شہزادی نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں میں ہی بولنے والا ستار ہوں۔'' ستار نے جھنجھلا کر کہا۔

''تو یہ سب ماجرا کیا ہے بھائی؟''

ستار نے ہنس کر کہا ''ستار کبھی بھائی ہوسکتا ہے۔ میں تو ایک بے جان ستار ہوں۔''

''مگر یہ لڑکی کون ہے؟'' شہزادی نے جلدی سے پوچھا۔

''یہ لڑکی اس بڈھے کی بیٹی ہے۔''

''یہ تو سونے کی ہے۔ اس کو کیا ہوا؟''

''اس قلعے کے اندر کی ہر چیز سونے کی ہے۔ مرغیاں سونے کی ہیں اور سونے کے انڈے دیتی ہیں۔ فوارے سونے کے ہیں اور سونے کا پانی اچھالتے ہیں۔ درخت، پھول، پھل، پتے، یہاں ہر چیز سونے کی ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر تم اس کمرے کے اندر روٹی پکاؤ گی تو وہ بھی توے پر تپ کے کر سونے کی ہوجائے گی۔''

''ایسا کیوں؟'' شہزادی نے بڑے تعجب سے پوچھا۔

''یہ بڈھا جو کرسی پر پڑا ہے نا'' ستار نے کہا ''اپنے زمانہ کا بہت بڑا ظالم تھا۔ پارس پتھر اسی کی ایجاد ہے۔''

''پارس پتھر کیا ہوتا ہے؟'' شہزادی نے جلدی سے پوچھا۔

''اس بڈھے کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلیوں میں سونے کی انگوٹھی کے اندر جو نگ تم دیکھتی ہونا۔ یہی پارس پتھر ہے۔ یہ پتھر جس چیز کو چھولے وہی سونے کی ہوجاتی ہے۔''

شہزادی آگے بڑھی۔ ستار نے چلا کر کہا ''ہاتھ لگاؤ گی تو سونے کی ہوجاؤ گی۔''

شہزادی پیچھے ہٹ گئی اور بولی ''مگر یہ آدمی زندہ ہے اس کا دل حرکت کررہا ہے۔''

''ہاں'' ستار نے کہا ''اس کا سارا جسم سونے کا ہوچکا ہے۔ مگر دل چونکہ سونے کا نہیں ہوا، اس لیے یہ ابھی تک زندہ ہے۔''

''اس کا دل کیوں سونے کا نہیں ہوا؟'' شہزادی نے پھر سوال کیا۔

''پہلے پہلے تو اسے سونے سے بڑی محبت تھی۔ ہر چیز کو ہاتھ سے چھو کر اسے سونا کردیا کرتا تھا۔ چنانچہ میں بھی کسی زمانے میں معمولی لکڑی کا ستار تھا۔ اب سونے کا ہوں، اور بہت بھاری ہوگیا ہوں۔ باتیں کرتے کرتے تار دکھنے لگتے ہیں۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟''

"تو یہی کہہ رہے تھے کہ یہ آدمی بڑا ظالم تھا اور اپنے پارس پتھر سے ہر چیز کو سونا کر دیا کرتا تھا۔"

"ہاں لیکن ایک دن جب اس نے غلطی سے اپنی بیٹی کو اپنے پارس پتھر سے چھولیا اور اس کی بیٹی سونے کی ہوگئی تو اس آدمی کو سونے سے نفرت ہوگئی۔ اس نے ہزار کوشش کی کہ سونے کی بنی ہوئی بیٹی پھر سے زندہ گوشت پوست کی لڑکی بن جائے۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی کیونکہ کسی چیز کو سونے میں تبدیل کرنا آسان ہے، مگر سونے کو گوشت میں تبدیل کرنا بالکل ناممکن ہے۔ چنانچہ جب یہ اپنی بیٹی کو دوبارہ زندہ کرنے میں کامیاب نہ ہوا تو اس نے اپنے آپ کو بھی پارس پتھر سے چھولیا اور سونا ہوگیا۔ مگر چونکہ اس کے دل میں سونے سے نفرت پیدا ہوگئی تھی، اس لیے اس کا دل ابھی تک اندر سے گوشت کا ہے۔ اور ہر دم دھڑکتا ہے۔ ہاں اب تم بتاؤں کہ تم کیوں یہاں آئی ہو۔ کیا پارس پتھر کی تلاش میں؟ راستے میں کیا ہزاروں لالچی آدمیوں کے پنجر نہیں دیکھے جو اسی پارس پتھر کی تلاش میں چل کر یہاں پہنچے اور اس کوشش میں مر گئے۔"

"دیکھتے ہیں؟" شہزادی نے کہا "مگر مجھے تمہارا پارس پتھر نہیں چاہیے مجھے پہاڑی کوا چاہیے۔"

"پہاڑی کوے پر تو شیروں کا پہرہ ہے۔ اور یہ شیر صرف اس بڈھے کا کہا مانتے ہیں جو اس کرسی پر تمہارے سامنے بے ہوش لیٹا ہے۔ پہاڑی کوے کو پکڑنے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ بس ایک صورت ہوسکتی ہے۔"

"وہ کیا؟" شہزادی نے جلدی سے کہا۔

"یہاں آس پاس کہیں سے تم پانی لاسکتی ہو؟"

"پانی۔ پانی کی پہاڑوں پر کیا کمی ہوسکتی ہے۔" شہزادی بولی۔

"میں نے راستے میں چٹانوں پر چاروں طرف برف ہی برف دیکھی ہے۔"

"بے وقوف، وہ تو سونے کی برف ہے۔ اس پہاڑ پر جتنے چشمے ہیں وہ سب سونے کے ہیں۔ ان میں پانی کے بجائے سونا پگھل کر بہتا ہے۔ اس پہاڑ پر سب کچھ ہے۔ مگر پانی نہیں ہے۔"

"پانی کو لے کر کیا کرو گے؟"

''اگر تم کہیں سے پانی لے آؤ۔ بس سادہ پانی، اور اسے اس آدمی پر اور اس کی بیٹی پر چھڑک دو تو یہ دونوں پھر سے زندہ ہو جائیں گے۔ اپنے سونے کے جسم کو چھوڑ کر پھر سے گوشت پوست کے انسان بن جائیں گے۔ پھر تم اس بڈھے سے پہاڑی کوا کو مانگ سکتی ہو۔ کیونکہ تم اس کی جان بچاؤ گی۔'' اس لیے یہ تمھیں پہاڑی کوا ضرور دے گا۔

''تم کیوں اس بڈھے کی اتنی طرف داری کرتے ہو؟'' شہزادی بولی۔

''اس لیے کہ یہ اپنی غلطی تسلیم کر چکا ہے۔ اسے کافی سزا مل چکی ہے۔ اور میں ایک رحم دل ستار ہوں، اور میں پھر سے گانا چاہتا ہوں۔ ایک زمانہ تھا جب میں لکڑی کا ستار تھا، اور یہ خوب صورت لڑکی اپنی پیاری پیاری انگلیاں میرے سینے پر پھیر کے ایسے ایسے خوبصورت راگ گایا کرتی تھی کہ کیا بتاؤں۔ میں ان دنوں کو پھر سے واپس لانا چاہتا ہوں۔ جب میرے سینے سے نغمے پھوٹ کر نکلتے تھے۔ اب میں بول سکتا ہوں، گا نہیں سکتا۔''

''گا کیوں نہیں سکتے؟''

''گانے کے لیے خوب صورت انگلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کی زندہ انگلیوں کی، اور اس زندگی کے لیے سونے کی نہیں، صرف سادہ پانی کی ضرورت ہے۔ کیا تم کہیں سے پانی نہیں لا سکتیں؟ اگر تم پانی لے آؤ تو میں تمھیں اس کے بدلے پارس پتھر، سونے کے ابلتے ہوئے چشمے، سونے کی مرغی، یہ سارا سونے کا قلعہ دے سکتا ہوں۔''

''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' شہزادی بولی ''میں صرف پہاڑی کوا چاہتی ہوں۔''

شہزادی عصا پر سوار ہو گئی اور اس کے پروں پر ہاتھ رکھ کر بولی ''جلدی سے کسی سادہ پانی کے چشمہ پر لے چلو۔''

عصا کے پر پھڑ پھڑائے، چند لمحوں میں عصا پھر سے ہوا

میں پرواز کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس طلائی پہاڑ کی گھاٹیوں سے نیچے پھسلتا چلا گیا۔ پھر اندھیرے میں سفر کرنے لگا۔ پھر گھوم گھوم کر بادلوں میں چکر کھاتا ہوا ایک ایک سرسبز و شاداب وادی میں جا اترا۔ یہاں لانبی، لانبی گھاس اگی تھی اور گھاٹیوں پر سبز پوش درخت کھڑے تھے اور دو چٹانوں کو چیر کر ایک خوبصورت آبشار نیچے وادی میں گر رہا تھا۔

اس آبشار کے نیچے بہت سی عورتیں گھڑوں میں پانی بھر رہی تھیں۔ شہزادی نے جلدی سے پانی کی بھری ہوئی ایک گھڑیا اٹھائی اور پیشتر اس کے کہ گھڑیا کی مالک عورت چلاتی، وہ عصا پر سوار ہو کے اڑ گئی۔ عورتیں حیرت سے دیکھنے لگیں۔ بلکہ کئی ایک غش کھا کر گر پڑیں۔ شہزادی عصا پر سوار ہو کر واپس قلعے میں پہنچی۔ راستے میں جہاں جہاں وہ انسانی پنجروں پر پانی چھڑکتی گئی، وہاں وہاں مردے زندہ ہو کر اس کا شکریہ ادا کرنے لگتے۔

قلعے کے اندر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے بوڑھے پر پانی چھڑکا بڈھا پھر سے گوشت پوست کا بن گیا۔ شہزادی نے پھر جلدی سے بڈھے کی خوبصورت بیٹی پر پانی چھڑکا۔ وہ بھی زندہ ہو گئی اور اپنے باپ سے بغل گیر ہونے کے لیے آگے بڑھی لیکن عین اسی وقت کسی نے زور سے کہا۔

”خبردار آگے نہ بڑھنا۔ اس کے ہاتھ میں ابھی تک پارس پتھر ہے۔“ یہ ستار بول رہا تھا۔

بڈھے نے جلدی سے اپنے ہاتھ سے پارس پتھر کی انگوٹھی اتار کے قلعے کے باہر پھینک دی اور دونوں ہاتھ بڑھائے اپنی بیٹی سے بغل گیر ہوا۔ باپ بیٹی دونوں نے شہزادی کا شکریہ ادا کیا۔ اور جب شہزادی نے اپنا مطلب ظاہر کیا تو بڈھے نے بڑی خوشی سے اس کی درخواست قبول کر لی۔ وہ خود اوپر کے برج میں جا کے اپنے سدھائے ہوئے شیروں کے بیچ میں اسے پہاڑی کوے کا پنجرہ اٹھا لانے کے لیے روانہ ہوا۔ عین اسی وقت پھر کسی نے کہا“ اور ہمیں یہیں چھوڑے جانے لگے؟ سچ ہے انسان بڑا ناشکر ہوتا ہے۔“

شہزادی نے پلٹ کر ستار کی طرف دیکھا اور پھر اس پر بھی پانی چھڑک دیا۔ سونے کا ستار پھر سے لکڑی کا ستار بن گیا، اور بڈھے کی بیٹی نے اپنے ستار کو پہچان کر اپنے گلے سے لگا لیا۔ ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور ستار کے تاروں پر بہنے لگے اور پھر ان تاروں سے ایسا خوبصورت راگ نکلنے لگا کہ قلعے کا ہر درخت پھر سے شاداب ہو گیا۔ اور جہاں سونے کے پتے تھے وہاں ہری ہری پتیاں نکل آئیں، اور جہاں سونے کے پھول تھے، وہاں نازک پنکھڑیاں والے پھول مہک اٹھے، اور جہاں ننگی چٹانیں تھیں وہاں گھاس نکل آئی، اور جہاں سونے کے تپتے ہوئے چشمے ابلتے تھے وہاں ٹھنڈا میٹھا پانی کل کل کرتا ہوا زمینوں کو سیراب کرنے لگا۔

سونے کی وادی میں پھر سے بہار آ گئی۔

اوپر کے برج میں جا کر بڈھے نے اس ہرے بھرے منظر کو دیکھ کر شہزادی سے کہا ”ہاں تم اب پہاڑی کوا لے جا سکتی ہو۔“

”اس پہاڑی کوے میں اور کیا خاص بات ہے؟“

”اس پہاڑی کوے کی آنکھوں میں پتلیوں کی بجائے پارس پتھر ہے اس کوے کے مرجانے کے بعد پارس پتھر دنیا سے ناپید ہو جائے گا۔“

بڈھے نے طلائی زنجیر سے پنجرہ کھول کر شہزادی کے

ہاتھ میں تھما دیا۔

شہزادی عصا پر سوار ہو کر چند لمحوں میں سوتوں کے شہر میں پہنچ گئی۔ عصا دیوؤں کے قلعے کی اونچی اونچی دیواروں کے اوپر سے اڑتا ہوا سیدھا قلعے کے اندر جا اترا۔ قلعے کے اندر پہنچتے ہی دیو "مانس گندھ، مانس گندھ،" کہتے ہوئے چیختے چلاتے، شہزادی کی طرف بڑھے۔

شہزادی نے جلدی سے پنجرا کھول کر کوے کی چونچ سے چاندی کی ڈبیا نکال کے تو اپنے پاس رکھ لی اور کوے کے دونوں پر نوچ کر پھینک دیئے۔

پروں کا نوچنا تھا کہ دیوؤں کے دونوں بازو کٹ کے الگ گر پڑے۔ زور سے چلاتے ہوئے، خوفناک دہاڑیں مارتے ہوئے وہ شہزادی کی طرف لپکے۔ شہزادی نے کوے کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں۔ پہاڑی کوے کی آنکھیں پھوٹتے ہی دیو بالکل اندھے ہو گئے۔ اب انھیں شہزادی نظر نہ آتی تھی، اور وہ تاریکی میں ادھر ادھر پاگلوں کی طرح دوڑنے لگے۔

ایک دیو جس کے نتھنوں میں آدمی کو سونگھنے کی قوت سب سے زیادہ تھی گرتا پڑتا کسی نہ کسی طرح شہزادی کے قریب پہنچ گیا۔ شہزادی کے قریب پہنچ کے اس نے اپنا پاؤں شہزادی کے جسم کے اوپر رکھنا چاہا۔ مگر اس وقت شہزادی نے بڑی پھرتی سے کام لیا اور جلدی سے پلٹ کر گھوم گئی۔ اس نے جلدی سے کوے کو ٹانگوں سے پکڑا اور اسے بیچ سے چیر ڈالا۔

کوے کو چیرتے ہی چاروں طرف سے بادلوں کی سی کڑک اور گرج پیدا ہوئی۔ زمین ایسے کانپ اٹھی جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ قلعے کے برج ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑے اور شہزادی بھی زلزلے کے دھکے سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو کیا دیکھتی ہے کہ نہ وہ قلعہ ہے نہ وہ دیو۔ نہ وہ برج ہیں اور نہ خندق۔ ایک سرسبز و کشادہ میدان ہے جس میں مخمل کی طرح نرم و ملائم گھاس غالیچے کی طرح بچھی ہوئی ہے، اور رنگا رنگ پھول اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ اس میدان کے بیچ میں ایک میز بچھی ہے۔ اور اس میز پر وہ موتیوں والا شنکھ رکھا ہے۔ اور اس کے قریب ایک پنجرا پڑا ہے جس میں موہن بند ہے۔

موہن کو دیکھتے ہی شہزادی بے اختیار اس کی طرف دوڑی اور جلدی سے پنجرا کھول کے اسے آزاد کیا۔

پھر اس نے چاندی کی ڈبیا سے گلاب کا پھول نکالا اور اسے شنکھ پر رکھ دیا۔

شنکھ پر رکھتے ہی گلاب کا پھول غائب ہو گیا اور شنکھ پھول کی طرح ہلکا ہو گیا۔ موہن نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا اور عصا پر سوار ہو کے وہ دونوں پادری کے پاس چلے گئے اور اس کے ہاتھ میں شنکھ دے دیا۔

پادری شنکھ کو لے کر بہت خوش ہوا۔ اس نے شنکھ سے کہا۔

"اٹھو! میری دنیا کے غریبوں کو جگادو۔"

مگر شنکھ خاموش رہا۔

پادری نے غصے سے موہن کی طرف دیکھا اور کہا "تم نے مجھ سے دھوکا کیا ہے یہ اصلی موتیوں والا شنکھ نہیں ہے۔ تم کوئی دوسرا جعلی شنکھ اٹھالائے ہو۔"

موہن نے کہا "نہیں وہی شنکھ ہے۔"

"تو پھر یہ بولتا کیوں نہیں؟" پادری نے کہا۔

موہن نے شنکھ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ بالکل وہی شنکھ تھا۔ اس نے شنکھ سے پوچھا "تم بولتے کیوں نہیں؟"

مگر شنکھ پھر بھی نہ بولا۔

پادری نے غصے سے کہا "جاؤ تمھیں لعل نہیں ملے گا۔"

شہزادی نے شنکھ موہن کے ہاتھ سے چھین کر اپنے ہونٹوں سے لگالیا اور پھر زور سے شنکھ کو پھونکا۔

یکا یک شنکھ زور زور سے گانے لگا۔

"اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگادو۔"

اس کی آواز ساری وادی میں گونج اٹھی اور جہاں جہاں لوگ سوئے پڑے تھے، یا نیم غنودگی میں تھے، یا نیم بیدار تھے۔ وہاں وہاں سب لوگ یہ آواز سن کر جاگتے گئے۔ خوشی کے مارے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آج برسوں کے بعد وہ جاگے تھے اور اپنے دوستوں اور عزیزوں کو پہچان رہے تھے اور ان کے گلے مل رہے تھے۔ ساری وادی میں بہار آگئی تھی اور شنکھ زور زور سے گا رہا تھا۔ "اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگادو۔"

پادری نے خوشی سے شنکھ کو کلیجے سے لگالیا، اور بولا "میں سمجھ گیا اب یہ دیوؤں کا شنکھ نہیں ہے۔ یہ انسان کا شنکھ ہے۔ یہ خود نہیں بولے گا۔ اس میں انسان کا سانس اور اس کی محنت بولے گی۔"

پادری نے موہن اور شہزادی کی طرف دیکھا اور گردن جھکا کے اپنے گلے کا لعل اتار کے، ان کے حوالے کر دیا۔ شہزادی اور موہن عصا پر سوار ہو کر اسی دم واپس ہوئے۔ چونکہ وقت بہت کم تھا اور سورج مغرب کو جا رہا تھا۔

...جاری

اسماعیل پرواز

طوطا بن گیا مرغا

شارق نے اک توتا پالا — سندر سندر پیارا پیارا
کتنے اچھے اس کے پر تھے — نرم، ملائم، مخمل جیسے
خوب تھا اس کا بولتے رہنا — پنجرے میں بس ڈولتے رہنا
صبح و شام تھا شیوہ اس کا — اپنی ادا سے سب کو لبھانا
اک دن پنجرے کا دروازہ — جیسے ہی تضمین نے کھولا
طوطا نکل کر فوراً بھاگا — اڑ کر الماری پر بیٹھا
نصرت نے چابکدستی سے — پکڑا اچھل کے کیا جلدی سے
شارق نے پر اس کے کاٹے — تاکہ کبھی اڑنے ہی نہ پائے
پھر طوطا کیا مرغا تھا وہ — ہال میں گھومتا رہتا تھا وہ
دانے چن چن کر کھاتا تھا — پر اترا رہتا تھا چہرہ
بچوں کے اب چنگل میں تھا — جس نے چاہا جھٹ سے پکڑا
بھول گیا وہ ناز کی باتیں — پر کی اور پرواز کی باتیں

■

Md. Ismail
242, Belilims Road
Howrah - 711101

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونیں منظر سے
جس حال میں جینا مشکل ہو، اس حال میں جینا لازم ہے

کشتیِ جاں تھی کہ سیلِ آب میں بہتی رہی
آندھیوں میں اک چراغِ بے سپر روشن رہا

وقت کی تیز تپتی ہوئی ریت پر پڑ گئے پاؤں میں آبلے دوستو
سانس اُکھڑا کیا، جسم ٹوٹا کیا، ہم نہ ہارے مگر حوصلے دوستو

ہم نے طے کی اس طرح سے منزلیں
گر پڑے گر کر اٹھے اٹھ کر چلے

اے دل تجھے قسم ہے تو ہمت نہ ہارنا
دن زندگی کے جیسے بھی گزرے گزارنا
الفت کے راستے میں ملیں گے ہزار غم
بن جائے جان پر بھی تو غم سے نہ ہارنا
رونے سے کم نہ ہوں گی کبھی تیری مشکلیں
بگڑے ہوئے نصیب کو ہنس کر سوارنا
دنیا ستم کرے تو نہ کرنا کوئی گلہ
جو تیرے ہو چکے ہیں تو ان کو پکارنا

کِھلا کِھلا ہو یہ جہاں، دھُلا دھُلا سماج ہو
تیری زمیں پہ اے خدا، محبتوں کا راج ہو

مجھ کو دشمن کے ارادوں پہ بھی پیار آتا ہے
تیری اُلفت نے محبت میری عادت کر دی

طٰہٰ نسیم

دریائی گھوڑا

دریائی گھوڑا Hippopotamus ہاتھی اور گینڈے کے بعد دنیا میں پایا جانے والا سب سے بڑا جانور ہے۔ گینڈے اور خنزیر جیسا دکھنے والا دریائی گھوڑا دراصل وہیل اور ڈالفن جیسے آبی حیوانات کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ دو لاکھ سال قبل دریائی گھوڑے بھی براعظم بشمول مڈغاسکر اور سری لنکا میں بھی پائے جاتے تھے۔ حالانکہ آج یہ صرف براعظم افریقہ میں رہتے ہیں لیکن آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ ہزاروں سال قبل یہ برطانیہ، سائپرس اور سسلی میں بھی رہتے تھے۔ وہاں ان کا خاتمہ انسانوں نے شکار کر کے کیا۔

دریائی گھوڑے دوسرے جانوروں کی طرح سانس لیتے ہیں اس کے باوجود وہ پانی میں پانچ منٹ تک سانس روک کر ڈبکی لگا سکتے ہیں۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں دریائی گھوڑے ہی ایسے ہیں جو اپنا منہ 150 ڈگری تک کھول سکتے ہیں کیا آپ کو پتہ ہے اس کے ایک دانت کا وزن کتنا ہوتا ہے؟ ایک دانت 3 کلو وزنی اور 70 سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ ہاتھی کے دانت کی طرح یہ بھی قیمتی ہے اور اس کے لیے دریائی گھوڑوں کا شکار کیا جاتا ہے یہ اپنا منہ چار فٹ تک کھول سکتا ہے یعنی چھوٹے قد کا پورا آدمی اس میں سما سکتا ہے۔ اس کے دانت اس قدر خطرناک اور طاقت ور ہوتے ہیں کہ اگر یہ گینڈے کے پاؤں پر منہ مار دے تو اسے کچل سکتا ہے۔ افریقہ میں سب سے زیادہ انسان دریائی گھوڑوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ اگر یہ انسان کو اپنے علاقے میں دیکھ لیں تو فوراً حملہ کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کشتیوں کو پلٹ کر ان میں سوار لوگوں کو چبا کر ختم کر دیتے ہیں۔ ان کے جسم پر 50 سینٹی میٹر موٹی جلد ہوتی ہے۔ صرف ان کی جلد کا وزن ہی 90 کلوگرام ہوتا ہے اس کے باوجود یہ اتنی نازک ہوتی ہے کہ سورج کی شعائیں اسے آسانی سے جھلسا سکتی ہیں۔ اپنے جسم کے درجۂ حرارت کو معمول پر رکھنے کے لیے یہ اپنا زیادہ وقت پانی کے اندر گزارتے ہیں۔

آپ کو یہ جان کر بھی تعجب ہوگا کہ دریائی گھوڑے کا

پسینہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور انسان کے مقابلے انھیں پانچ گنا زیادہ پسینہ آتا ہے۔ ان کا پسینہ بعینہ سن اسکرین لوشن کا کام کرتا ہے۔

دریائی گھوڑوں کو غذا کی تلاش میں پانی سے باہر آنا پڑتا ہے۔ یہ رات کے وقت کھانے کی تلاش میں اپنے مسکن سے دو میل تک چلے جاتے ہیں۔ اگر شدید گرمیوں میں نباتات سوکھ گئی ہو تو یہ کھانے کی تلاش میں تیس کلومیٹر تک جاسکتے ہیں۔ بالغ نَر ایک رات میں سو کلو تک کھا سکتا ہے۔

ان کا گوبر پانی میں آبی پودے اگانے میں مدد کرتا ہے اور بڑی مقدار میں مچھلیوں اور پرندوں کی غذا بنتا ہے۔

مغربی افریقہ میں چھوٹے سائز کا دریائی گھوڑا پایا جاتا ہے۔ یہ عام طور پر بکرے کے برابر ہوتا ہے۔

■

Taha Naseem
2793, Pahari Bhojla, Turkaman Gate, Delhi-6

آسکر ایوارڈ

افضال احمد انصاری

آسکر ایوارڈ فلمی دنیا کا سب سے موقر ایوارڈ مانا جاتا ہے۔ سالانہ آسکر ایوارڈ تقسیم کی تقریب کی عظمت شوبز کی دنیا میں انوکھی ہے۔ اس تقریب میں جیتنے والوں کو آسکر نامی ایک مورتی دی جاتی ہے۔ عام سوچ ہے کہ آسکر ایوارڈ کسی فلمی ہستی کے نام پر رکھا گیا ہوگا جس نے یہ ایوارڈ شروع کیے لیکن یہ سچ نہیں ہے۔ اصل میں آسکر ایوارڈ کا نام آسکر پیرس نامی ایک ٹیکساس کے کسان پر رکھا گیا۔ شروعات میں تو اس ایوارڈ کا کوئی نام ہی نہیں رکھا تھا۔ اس ایوارڈ سے جڑے سبھی پروگرام اکادمی آف موشن پکچر آرٹس اینڈ سائنس کی طرف سے منعقد کیے جاتے ہیں۔ اس دفتر میں ایک لڑکی لائبریرین کے عہدے پر کام کرتی تھی۔ اس نے جب ایوارڈ میں دی جانے والی مورتی کو دیکھا تو فوراً بول پڑی "یہ ٹرافی تو ہو بہو میرے انکل جیسی ہے جن کا نام آسکر ہے" ایک جرنلسٹ جو اس وقت وہیں موجود تھا۔ اس نے اپنے کالم میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا کہ "آفس کے لوگوں نے اس مورتی کو آسکر کہہ کر بلانا شروع کر دیا ہے۔" بس پھر کیا تھا۔ لوگوں کو نام پسند آیا۔ ٹرافی کا ہی نہیں بلکہ اس باوقار ایوارڈ کا نام ہی "آسکر" پڑ گیا جو آج فلمی دنیا میں سب سے زیادہ اہم مانا جاتا ہے اور ہر اداکار اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

■

Afzal Ahmad Ansari
Lakhan Wara, Talluqa Kham Gaon
Distt. Baldana (MS)

ہندوستان کی یادگار اور اہم تعمیرات

سلطان احمد ساحل

مسلم حکمرانوں کی چند قابلِ دید اور یادگار تعمیرات ملاحظہ ہوں—!

''بلند دروازہ'' فتح پور سیکری، آگرہ شہنشاہِ اکبر نے 1572 میں گجرات فتح کیا تھا، یہ اُسی کی یادگار ہے۔ اس شہر کو شہنشاہِ اکبر نے غالباً پانی کی کمی کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ اس شہر میں پنچ محل اور دوسری کئی اہم تعمیرات ہیں جن میں دیوانِ خاص اور سلیم چشتی کا گنبد قابلِ دید ہے—!

''قطب مینار'' 7205 میٹر اونچا ہے۔ یہ دہلی کے مہرولی میں واقع ہے۔ ہندوستان میں پتھروں سے تعمیر عمارتوں میں یہ سب سے بلند اور مکمل مینار ہے۔ قطب الدین ایبک نے اس کی (1210-1251) میں تعمیر شروع کی تھی... قطب الدین غلام خاندان کے بادشاہوں میں اہم ترین بادشاہ تھا۔ اس کی موت کے بعد شمس الدین التمش نے (1210-1235) میں اسے مکمل کرایا—!

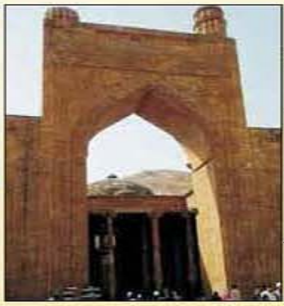

''اڑھائی دن کا جھونپڑا'' یہ مسجد اجمیر میں واقع ہے۔ اسے قطب الدین ایبک نے تعمیر کرایا تھا— اس کی تعمیر صرف ڈھائی دنوں میں مکمل ہوئی تھی—!

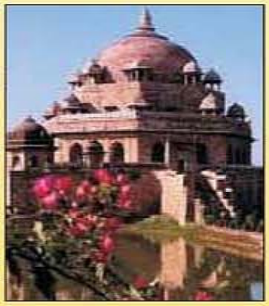

''اعتماد الدولہ کا گنبد'' آگرہ، ایرانی مہم باز مرزا غیاث نے اکبر بادشاہ کے عہد میں اقتدار حاصل کیا۔ اس کی لڑکی نور جہاں نے 1622 میں مرزا غیاث کی موت کے بعد یہ گنبد تعمیر کرایا—!

شیر شاہ سوری نے سہسرام (بہار) میں خود اپنا مقبرہ تعمیر کرایا مگر وہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی 1545 میں انتقال کرگیا— پھر اس کے لڑکے سلیم شاہ نے اسے مکمل کرایا۔ یہ ہندوستان کی بہترین تعمیرات میں سے ایک نایاب مقبرہ ہے اور مسلم تعمیرات کی بہترین عکاسی کرتا ہے!

■

Sultan Ahmad Sahil, New D. S. Cable, Flat No 34, Cable Town, P.O: Golmuri, Jamshedpur - 831003 (Jharkhand)

نجمہ پروین

جگنو میں روشنی کہاں سے آتی ہے؟

آپ نے کبھی باغوں یا کھیت میں رات کے وقت چنگاریاں سی جلتی بجھتی دیکھی ہوں گی۔ سرخ، پیلے اور ہرے رنگ کی یہ چنگاریاں دراصل جگنو (Fire fly) ہیں جو اپنے ساتھی کو بلانے کے لیے روشنی پیدا کرتے ہیں۔

جگنو ہزاروں سال سے انسان کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے۔ ان میں پیدا ہونے والی روشنی کے تعلق سے کئی سماجوں میں ضعیف الاعتقادی پائی جاتی تھی۔ یونان میں لوگ جگنو کی چمک کو قبر کی آگ سے تشبیہ دیتے تھے جبکہ ریڈ انڈین کسی جگنو کے لاروا کو نیک بختی کی علامت سمجھتے تھے۔ ہمارے ملک میں تو لوگ کسی شیشے کے پیالے یا برتن میں بہت سارے جگنوؤں کو بند کر لیتے تھے اور ان کی روشنی کو ٹارچ کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔

دراصل جگنو میں روشنی اس کے پیٹ میں موجود کیمیائی مادوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جگنو رات کے وقت اپنے جوڑی دار کو متوجہ کرنے کے لیے روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ روشنی ان کے پیٹ کے آخری حصے میں پیدا ہوتی ہے چونکہ ان کے پیٹ کی کھال انتہائی باریک ہوتی ہے جس کے سبب جگنو کی چمک دور تک دکھائی دیتی ہے۔

پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ جگنو کے جسم میں قدرتی فاسفورس بنتا ہے جس سے چمک نکلتی ہے لیکن سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ جگنوؤں کے جسم کی جانچ کرنے پر پتہ چلا کہ ان کے جسم میں لیوسفرین اور لیوسفرن نام کے پروٹین پائے جاتے ہیں، جس وقت یہ پروٹین آکسیجن سے ملتے ہیں تو ان میں چمک پیدا ہوتی ہے، لیکن تاروں کی طرح چمکنے والے جگنو کی چمک گرم نہیں ہوتی بلکہ چاند کی طرح ٹھنڈی ہوتی ہے۔ یہ روشنی ہری، پیلی، سرخ یا رنگین ہوتی ہے۔

جگنو کو کسان کا دوست کہا جاتا ہے۔ انڈے سے نکلنے کے بعد ان کے لاروے دو سال تک سڑی گلی لکڑی، پتیوں یا مٹی کے ڈھیر کے نیچے رہتے ہیں اور ان کی غذا فصل کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کے لاروے ہوتے ہیں۔ جگنو کے لاروے بڑی تیزی سے انھیں چٹ کر جاتے ہیں۔ دو سال

بعد یہ اپنے اوپر مٹی کا خول لپیٹ کر ایک گولی کی شکل میں پڑے رہتے ہیں۔ ہفتے بعد اپنا روپ بدل کر باہر آجاتے ہیں۔ یہ شکاریوں کو ڈرانے اور دوسرے جگنوؤں کو اپنی موجودگی کا پتہ دینے کے لیے بھی چمکتے ہیں۔ اندھیرے میں روشنی دینے والے جگنو کی زندگی بہت مختصر ہوتی ہے۔ لاروا سے جگنو بننے کے بعد یہ صرف تین ہفتے زندہ رہتے ہیں اور اس کے بعد مرجاتے ہیں۔ ان تین ہفتوں میں یہ شاید ہی کچھ کھاتے پیتے ہیں۔ صرف نر مادہ آپس میں ملتے ہیں اور اگلی نسل کو دنیا میں چھوڑ کر بجھ جاتے ہیں۔ جگنو کی زندگی میں ہمارے لیے ایک سبق ہے۔

■

Najma Parveen
2793, Pahari Bhojla
Turkaman Gate, Delhi - 6

طالب علموں کی کامیابی کے لیے مشورہ

ضیا عالم حیدرآباد

(1) طالب علم کو چاہیے کہ وہ ہر کام وقت پر کرے جس سے طالب علم کی ہر مشکل دور ہوجاتی ہے۔

(2) طالب علم کو ہمیشہ اپنی تعلیم کے بارے میں سوچنا چاہیے کیونکہ اس کو مستقبل میں دنیا والوں کے ساتھ پیش آنا ہے۔

(3) طالب علم کو اپنے والدین کا احترام کرنا چاہیے جس سے دونوں جہان میں کامیابی ہوگی۔

(4) طالب علم کو بری سوسائٹی سے بچنا چاہیے۔

(5) طالب علم کو ہمیشہ سچ بولنا چاہیے، سچائی کی وجہ سے شخصیت بہتر ہوتی ہے۔

(6) دنیا میں اگر کسی پر اعتبار کرنا ہے صرف اپنے والدین بہنیں بھائیوں پر کرنا چاہیے کیونکہ یہ زندگی کے ہر جوڑ میں کبھی بھی یہ ہم کو دھوکہ نہیں دیں گے، اگر یہ سب چیزیں طالب علم کے اندر سما جائیں تو طالب علم کہیں بھی ناکام نہیں ہوگا۔ اس کی دنیا و آخرت بھی سنور جائے گی۔

■

Zia Alam Kasganjavi, Hyderabad

ہنسی کے غبارے

ایک ماں اپنے بچے کو اسکول کی پہلی جماعت میں داخل کرانے کے لیے لائی۔ بچہ پہلی کلاس کے قابل نہ تھا لہٰذا ہیڈ ماسٹر صاحب نے ٹالتے ہوئے کہا "معذرت چاہتا ہوں پہلی جماعت میں مزید داخلے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا ہوا؟ بچے کو دوسری جماعت میں داخل کر لیجیے، ماں نے نہایت اطمینان سے کہا۔"

دو گپ باز باتیں کر رہے تھے۔ پہلے نے کہا: بیس سال پہلے میرے والد صاحب ایک سفر پر جا رہے تھے کہ کنویں سے پانی نکالتے ہوئے ان کی گھڑی کنویں میں گر گئی۔ ذرا اندازہ لگاؤ کہ کل جب میں اس کنویں کے قریب سے گزرا تو ٹک ٹک کی آواز نے میرے قدم روک لیے۔ جب میں نے کنویں میں اتر کر گھڑی کو نکالا تو دیکھا کہ یہ تو وہی گھڑی ہے اور سب سے حیرت کی بات یہ تھی کہ گھڑی ابھی تک چل رہی تھی۔

دوسرا گپی پوری بات سن کر نہایت اطمینان سے بولا: یہ تو کچھ بھی نہیں جس دن تمھارے والد صاحب کی گھڑی کنویں میں گری تھی اسی دن میرا بھائی بھی کنویں میں گر پڑا تھا اور وہ کل واپس پہنچا ہے۔

پہلے نے حیران ہو کر پوچھا: لیکن تمھارا بھائی بیس سال تک کنویں میں کیا کرتا رہا؟

تمھارے والد کی گھڑی کو چابی دیتا رہا۔ دوسرے نے نہایت انکساری سے جواب دیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سر سید احمد خان ٹرین میں سفر کر رہے تھے کہ ان کے ڈبے میں ایک انگریز آ کر بیٹھ گیا۔ سر سید کو ناگوار گزرا، لیکن خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد انھیں بھوک محسوس ہوئی تو انھوں نے اپنا ناشتہ دان کھول کر رکھا اور ہاتھ دھونے کے لیے غسل خانے میں چلے گئے۔ واپس آ کر دیکھا تو ناشتہ غائب پایا۔

دراصل انگریز نے ان کی غیر حاضری میں ناشتہ دان چلتی گاڑی سے باہر پھینک دیا تھا۔ سر سید کو غصہ تو بہت آیا، لیکن وہ چپ رہے۔

کچھ دیر بعد انگریز اپنی سیٹ سے اٹھ کر واش روم گیا اور اپنا ہیٹ سیٹ پر چھوڑ گیا۔ سر سید فوراً اٹھے اور ہیٹ کو چلتی ٹرین سے باہر پھینک دیا۔

انگریز نے واپس آ کر ہیٹ اپنی جگہ پر نہ پایا تو پوچھا:

دیل جنٹل مین ادھر ہمارا ہیٹ تھا کدھر گیا؟

سر سید نے فوراً کہا: ہمارا ناشتہ دان لانے گیا ہے۔

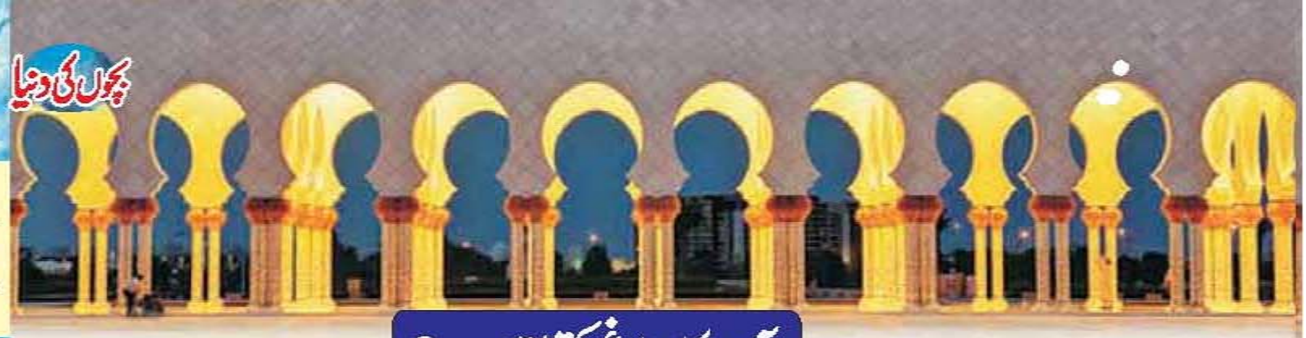

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

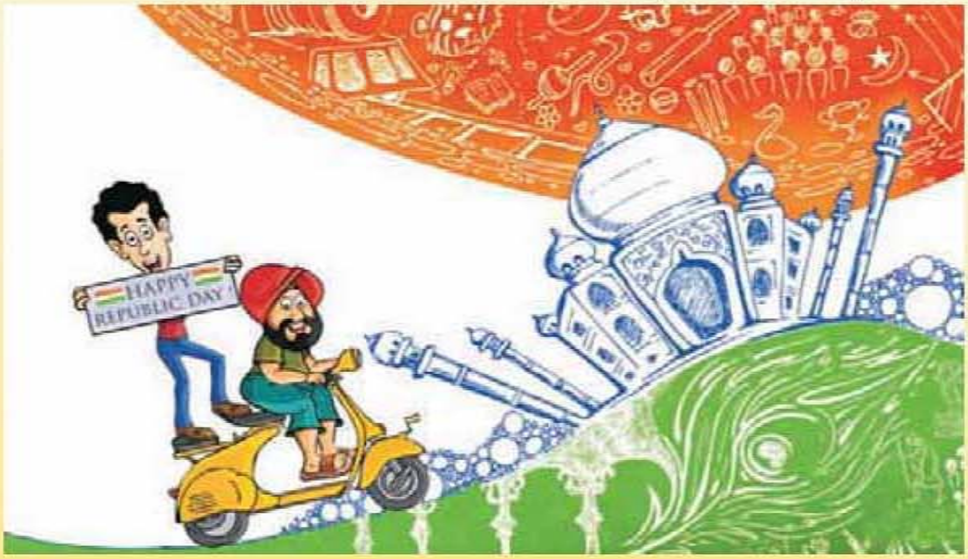

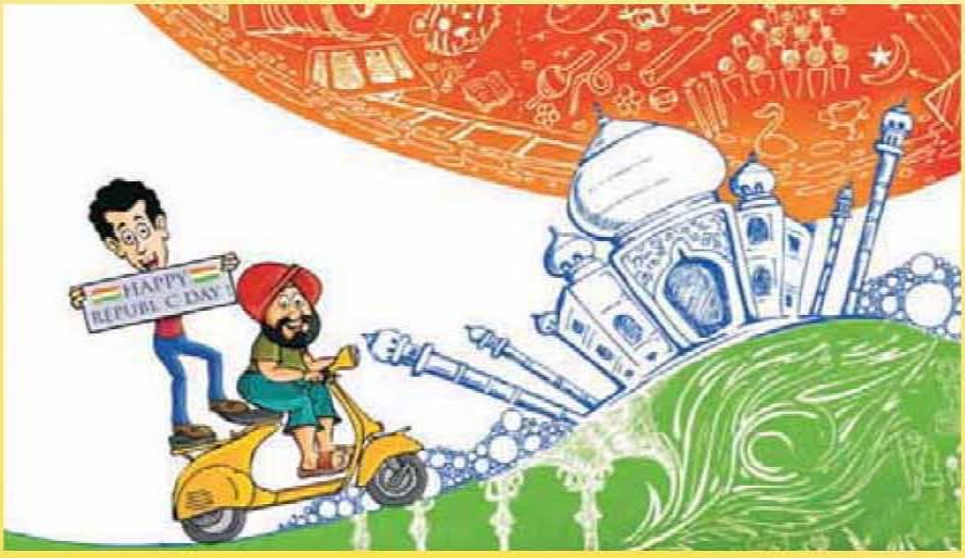

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں۔

■ سید مزمل حسین

شرارت کا انجام

کسی محلے میں دو بھائی رہتے تھے۔ ریحان اور اذلان۔ یہ دونوں بھائی بہت شریر تھے۔ وہ کون سی شرارت تھی جو انھوں نے نہ کی ہو۔ ان کے والدین کے ساتھ ساتھ سارا محلہ اور ان کے اساتذہ بھی ان کی شرارتوں سے پریشان تھے۔ کبھی کسی کی مرغی چھپالینا، کبھی کسی بکری کو پکڑ کر اس کے دونوں پیر باندھ دینا، کبھی کسی کی سائیکل پنکچر کردینا۔ غرض جس طرح ہوسکتا وہ سب کو پریشان کرتے۔ ان کے والدین انھیں سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے لیکن وہ اپنی شرارتوں سے ٹس سے مس نہ ہوئے۔

گرمیوں کی چھٹیاں چل رہی تھیں۔ یہ دونوں اپنے کمرے میں بیٹھے نئی شرارت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ تبھی ریحان نے کہا ”اذلان کیوں نہ ہم آج رامو کاکا کے باغ میں جا کر آم توڑ کر کھائیں۔“ یہ سن کر اذلان بھی خوش ہوگیا۔ دوپہر میں جب سب گھر والے آرام کررہے تھے تب یہ دونوں خاموشی سے نکل کر باغ میں پہنچ گئے لیکن باغ میں سخت پہرہ تھا۔ چوکیدار بھی ان کی شرارتوں سے واقف تھا۔ انھوں نے چوکیدار کو بہت منانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد چوکیدار کسی کام سے وہاں سے چلا گیا اور انھوں نے موقع غنیمت جانا اور جو آم چوکیدار نے توڑ کر رکھے تھے وہ لے کر آگئے۔ گھر آکر دونوں نے مزے سے آم کھائے اور دیکھا گھر میں سب سو رہے ہیں تو وہ دونوں بھی سو گئے۔ سونے کے بعد انھوں نے خواب میں دیکھا کہ

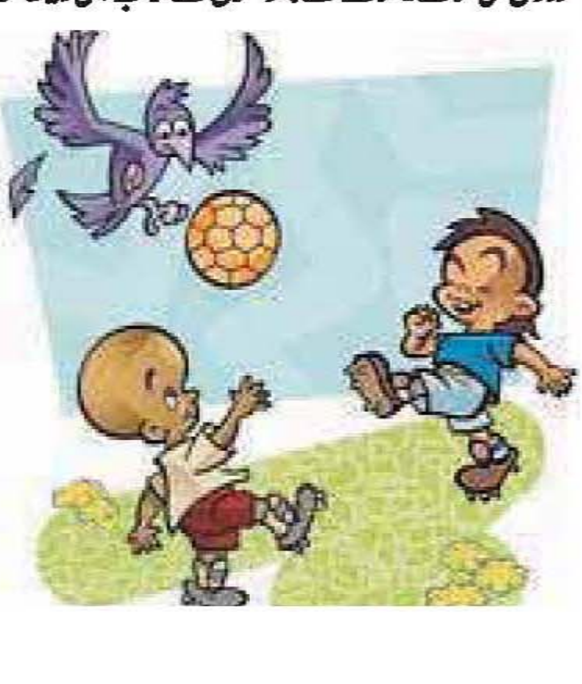

دونوں کی موت ہوچکی ہے اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ان کی زبان بند ہوچکی ہے اور وہ تمام جانور جن کو ریحان اور اذلان نے ستایا تھا سب کہہ رہے ہیں۔ ایک مرغی نے کہا ”دونوں نے مجھے قید کرلیا تھا اور میں اسی حال میں گھٹ گھٹ کر مرگئی۔“ انھیں سخت سزا دو۔ ایک بکری نے کہا ”ان دونوں نے میرے بچہ کو بہت مارا تھا جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے محروم ہوگیا تو ویسے ہی اس کی ٹانگیں توڑ دو۔ اتنے میں باغ کا چوکیدار آیا اس نے کہا ”میں نے بہت محنت سے آم توڑے تھے یہ دونوں نے وہ چرا کر کھالیے۔ اس لیے ان کے ہاتھ توڑ دو“ یہ تمام باتیں سن کر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ چوری کرنے پر ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دو۔ بکری کے کہنے پر دونوں کے پیر کاٹ دیے گئے اور ان کو جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ یہ سن کر دونوں چلانے لگے نہیں ہم شرارت سے توبہ کرتے ہیں۔ ہمیں جہنم میں مت ڈالو۔ لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی اور انھیں جہنم میں ڈال دیا گیا۔

گرمی کی وجہ سے دونوں کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں اٹھے تو پسینے میں شرابور تھے اور بہت ڈرے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنا خواب والدین کو سنایا اور ان سے معافی مانگی اور شرارت سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی۔

■

Syed Muzammil Husain,
Ibne Syed Majeed Husaain
Shalimar Bekri, Manzoor Pura,
New Road Aurangabad (MS)

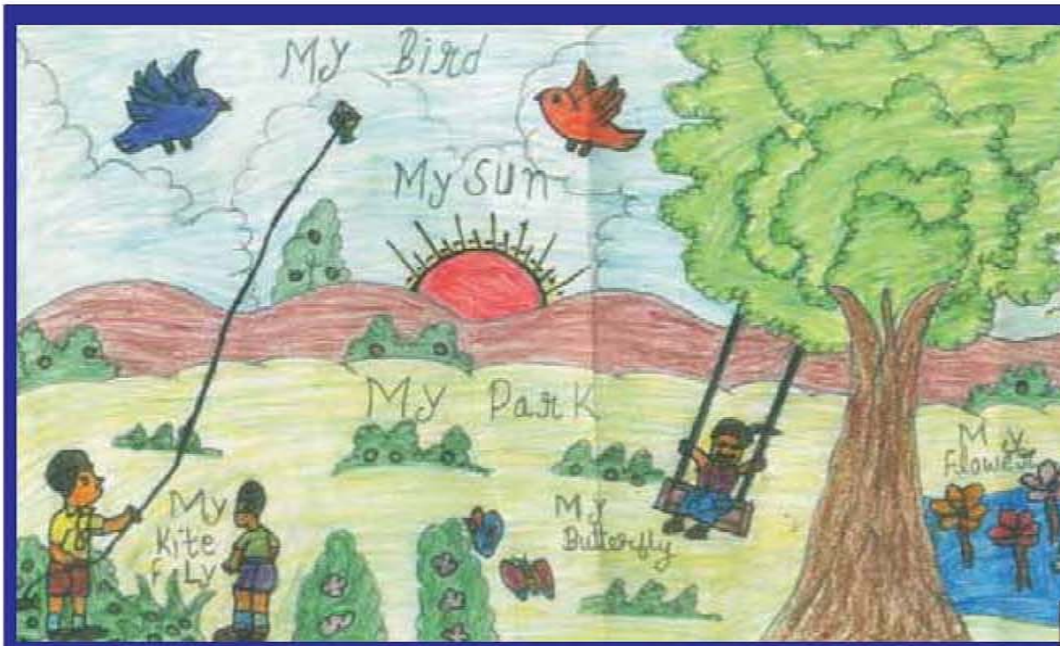

حذیفہ، درجہ: چہارم، سیفی پبلک اسکول، ابوالفضل، اوکھلا، نئی دہلی

عائشہ تبسم جلیل شیخ، درجہ: سوم، اینگلو اردو پرائمری اسکول، نندوبار

سید چشتیہ آصف علی، درجہ: ہشتم، یونیورسل ہائی اسکول، سارڈا سرکل، ناسک

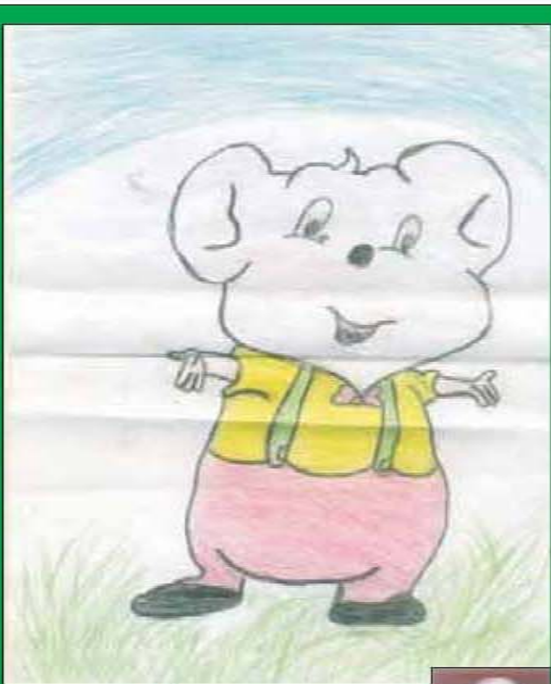

شیریں فردوس، درجہ: ششم
تحتانیہ نسواں اردو پرائمری اسکول

اسمیہ صفت محمد ذاکر، درجہ: ششم، حضرت دادا دیوان اسکول، واشم

محمد عمر انصاری

درجہ: سات، ضلع الہ آباد

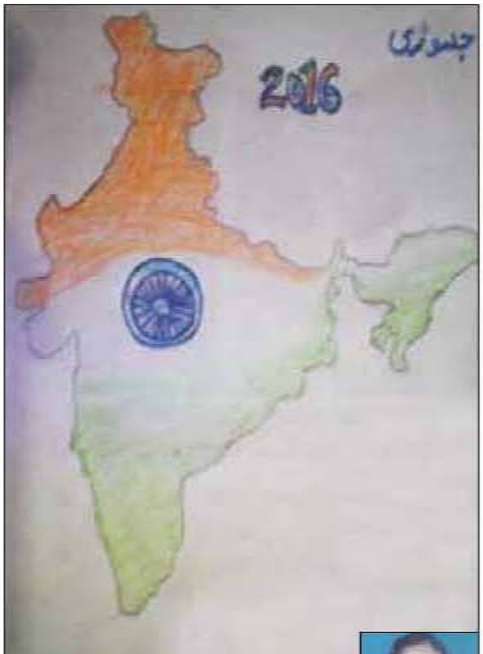

شاہینہ صدیقی، درجہ: آٹھ

شاہ پور، سمستی پور، بہار

محمد سعد ابن محمد مظفر، درجہ: پنجم، ضلع واشم (مہاراشٹر)

اردو فیس بک Facebook

'بچوں کی دنیا' کا اکتوبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ اس کی کہانی 'پانی رے! پانی رے!' سے بہت سی کارآمد باتیں معلوم ہوئیں۔ نظم 'کتنی پیاری زبان ہے اردو' بھی بہت پسند آئی، کیونکہ اردو ایک بہت ہی پیاری زبان ہے، اور جیسا کہ شاعر داغ دہلوی نے کہا ہے۔ ''اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ، سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے۔''

محسن جاوید، سرسید روڈ، بٹلہ ہاؤس، دہلی

میں ایک طالب علم ہوں۔ پڑوس کے شہر سے میرا گریجویشن جاری ہے لیکن سچ کہوں... میں 'بچوں کی دنیا' کو اتنی ہی دلچسپی سے پڑھتا ہوں جتنا کہ کوئی دس بارہ سال کا بچہ پڑھتا ہو۔ کافی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اس ماہنامے کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کروں لیکن اب تک نہ لکھ سکا۔ لیکن شاید میرے کہنے یا لکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی لگاتار بڑھتی مقبولیت ہی سب کچھ بیان کر دیتی ہے۔ پچھلے کچھ مہینوں تک میں نے ایک مقامی اردو اسکول میں معلمی کے فرائض انجام دیے۔ تبھی سے مجھے اس رسالے کا نشہ سا ہو گیا۔

فیضان احمد خان، صغیر احمد خان، بسمت نگر

میں مصباح شکیل جھنجواڑ کر میں باشیبان اردو ہائی اسکول جماعت نہم کی طالبہ ہوں مجھے آپ کے ادارے سے نکلنے والا رسالہ 'بچوں کی دنیا' بے حد پسند ہے۔ مجھے اس رسالے کے بارے میں ہمارے ریاضی کے سر نے بتایا اور پڑھنے لیے کہا اور کس طرح منگوانا ہے یہ بھی بتایا۔ بچوں کی دنیا کی ہر کہانی مجھے اچھی لگتی ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ میری بھیجی ہوئی کہانی کو آپ نے اپنے رسالے میں جگہ دی۔

مصباح شکیل جھنجواڑ کر، باشیبان اردو ہائی اسکول خانہ پور

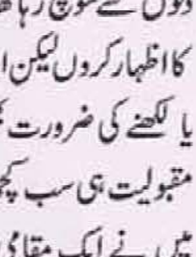

بہت دنوں سے 'بچوں کی دنیا' پڑھ رہا ہوں۔ رنگا رنگ مضامین سے لطف اٹھا رہا ہوں۔ ہر شمارہ ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا ہے۔

حمید نائطی، بھٹکل، کرناٹک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

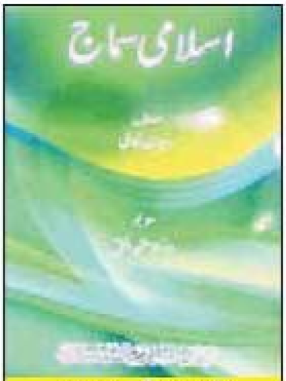

صفحات: 705، قیمت: 205 روپے

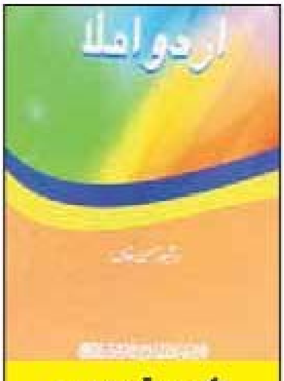

صفحات: 309، قیمت: 172 روپے

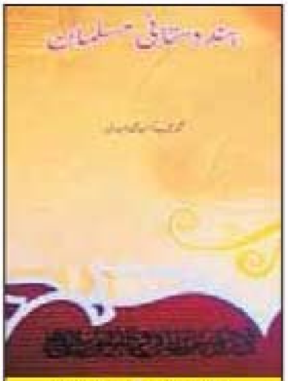

صفحات: 812، قیمت: 228 روپے

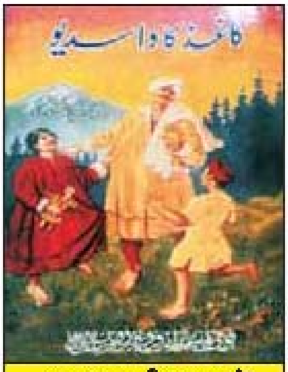

صفحات: 118، قیمت: 63 روپے

صفحات: 416، قیمت: 220 روپے

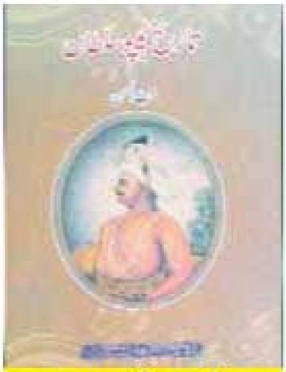

صفحات: 555، قیمت: 167 روپے

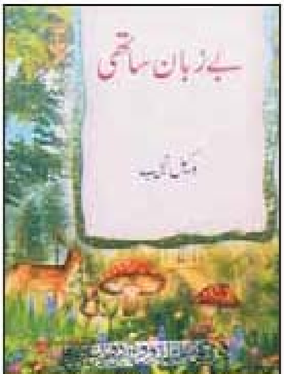

صفحات: 64، قیمت: 19 روپے

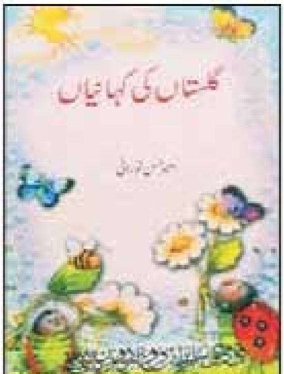

صفحات: 68، قیمت: 20 روپے

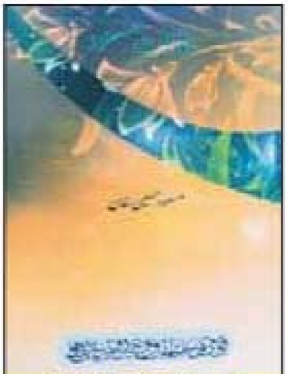

صفحات: 230، قیمت: 106 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 sales@ncpul.in , E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com

BACHON KI DUNIYA Monthly, January 2016, Vol. 04, Issue: 1
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S)-01/3439-2013-15
ISSN 2350-1286
Date of Publication: 11/12/15
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

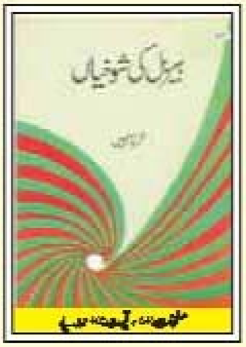

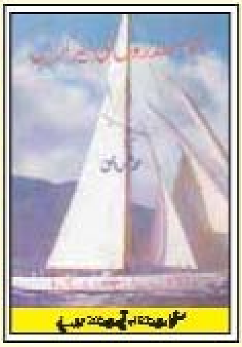
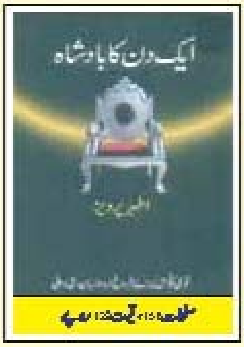

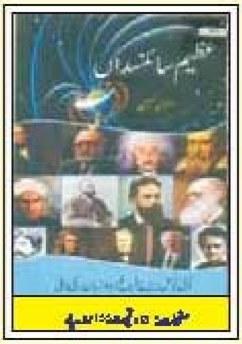

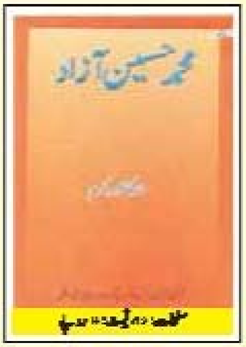

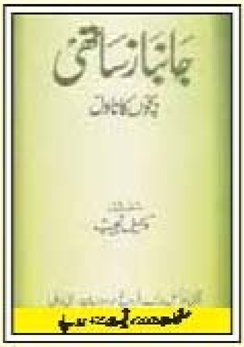

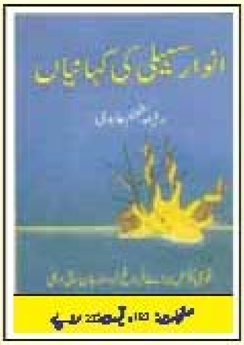

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159،
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, FAROGH-E-URDU-BHAWAN, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025 and printed at S. Narayan & Sons, B-88, Okhla Indl. Area, Phase-II, New Delhi-110020 on 80 GSM Art Paper produced by JK Editor: Prof. Syed Ali Karim, Tel: 49539000